

<https://primeurdunovels.com/>



سحاب

از قلم اریبہ خالد



یہ ناول ایک سوچوں بھری پٹاری ہے ایک اصل کہانی پہ مبنی ہے ایک زندگی اس میں جیتی ہے اس میں ایک طرف قبرستان کا اندھیرا اور سناٹا ہے تو دوسری طرف سنہری نگری کے چمکیلے خواب جو ایک طرح سے تضاد تو رکھتے ہیں مگر ہیں ایک ہی عمل کے دو پہلو بحر حال یہ کتاب جیسی بھی ہے حاضر خدمت ہے۔

الجھے الجھے بکھرے بکھرے روز و شب دیکھے گا کون؟
لوگ تیرا لوگ تیرا جرم دیکھیں گے سب دیکھے گا کون؟

اپنی، اپنی، اٹھو کیا ہے عاشی سونے دو مجھے اس نے عائشہ کو خود کو جھنجھوڑتا ہوا ہاتھ ہٹاتے ہوئے خمار
آلود آواز میں کہا اور تکیہ اٹھا کر منہ پر رکھ لیا۔

رکیں سجاد میری بات سنیں رابعہ جھوٹ بھی تو بول سکتی ہے اجر ایسا نہیں کر سکتی پہلے تحقیق تو کریں
کنول بیگم کی التجا آمیر آواز گونجی۔ عاشی یہ ماما بابا لڑکیوں رہے ہیں وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔
اجر تبھی ارشاد صاحب غصے سے دروازہ کھولتے ہوئے اس کی جانب بڑھے۔ چٹاخ یہ تھپڑ اس کے منہ
پر نہیں اس کے دل پر پڑا تھا جو نہ صرف اس کی جلد کو نشان زدہ بلکہ اس کی روح کو بھی چھلنی کر
گیا تھا۔ بے شرم بے غیرت صحیح کہتی تھی اماں سجاد یہ بیٹیاں تیرے لیے جان کا وبال ہے مگر میں
رحمت خدا کے چکر میں اپنی عزت کو داغدار کرتا چلا آیا۔

خوشخبری رائٹرز متوجہ ہوں

ہر لکھاری کا خواب ہوتا ہے کہ اس کی تحریر کتابی صورت میں بھی شائع ہو اور انکی کتاب بک شلف کی زینت بنے۔ آپ بھی ایک لکھاری ہیں اور اپنی تحریر کو کتابی شکل میں لانا چاہتے ہیں تو ہم سے رابطہ کریں۔ ہم آپ کی تحریر کو بہت کم ٹائم اور بہت مناسب قیمت میں آپ کی خواہش کے مطابق بہت عمدہ اور معیاری کوالٹی میں کتابی صورت میں شائع کرنے میں آپ کی مدد کریں گے۔ مزید معلومات کے لئے نیچے دئے گئے ایڈریس پر ابھی رابطہ کریں۔

Prime Urdu Novels Publications

Whatsapp : 03335586927

Email : aatish2kx@gmail.com

یہ وہ الفاظ تھے جو وہ کبھی مر کے بھی نہیں سوچ سکتی تھی کہ اس کا باپ جو اس سے اپنی جان سے زیادہ محبت کرتا تھا جس کی اس کو دیکھے بغیر دن اور رات نہیں ہوتے تھے وہ آج اسے جان کا وبال کہہ رہا تھا ان الفاظ کے ساتھ اگر اجر زندہ لاش بن گئی تھی تو باپ کے مقدس رشتے کا احترام بھی کہیں دفن ہو گیا تھا۔

یہ وہ دن تھا اپ نے سب سے قیمتی رشتے کا اعتبار کھویا تھا لیکن ابھی وہ اس بات سے بے خبر تھی کہ نہ جانے کتنی آندھیاں تھیں جو اپنی تند ہواؤں کے ساتھ اس کی زندگی کی جھونپڑی کو تباہ کرنے اس کی جانب آرہی تھی۔

سجاد حسین اور کنول بیگم کی کزن میرج تھی جو کہ ان کی مخالفت کی بنا پر زلیخہ بیگم کے ذاتی مفاد پر ہوئی تھی۔ شادی کے دو سال بعد تک عدالت نہ ہونے کی وجہ سے کنول بیگم نے زلیخہ بیگم کے جہاں بہت سے مظالم برداشت کیے وہی دو سال بعد پیدا ہونے والے بیٹوں کی پیدائش کے ساتھ ہی وفات پر ایک طلاق کے دھبے سے بھی اپنے دامن کو داغدار کیا۔ سے شادی کے چار سال بعد بیٹی کی پیدائش پر منحوس کا لقب بھی اپنے نظر کیا۔ ننھی پری کا نام سجاد صاحب نے اجر بتول رکھا کہ یہ ان کی عمر بھر کا اجر ہے۔ اجر کی پیدائش کے تین سال بعد عائشہ اور اس کے دو سال بعد علایہ کی پیدائش پر زلیخہ بیگم نے نہ صرف کنول بیگم کو گھر سے نکال دیا بلکہ طلاق نہ دینے پر سجاد صاحب کو بھی جائیداد سے آخ کر دیا۔

دودھیا چہرہ اور دائیں گال پر تل بڑی بڑی سیاہ اداس آنکھیں کھڑی مغرور ناک سنہری جھیل کی طرح بہتے ریشمی بال کمر پر بکھرے ہوئے تھے وہ اس بات سے بے خبر تھی کہ کوئی کتنی دیر سے اس سے اپنے نظروں کا مرکز بنائے بیٹھا ہے۔ اس کے مقابل میں ایک چھوٹی سی عام نین نقش والی لڑکی کھڑی تھی گھنگریالے بال گندمی رنگت بھوری شفاف آنکھیں عینک کی زد میں۔ وہ دونوں اس وقت

چھت پر تھی اسمان پر گھرے سیا بادلوں کی چادر بچھی ہوئی تھی جس کی اوٹ میں دن کی روشنی محو سکوں تھی۔

یہ بادل کتنے خوبصورت ہیں نا امیرہ تمہیں پتہ ہے میرا بھی دل کرتا ہے کہ میں بھی ان بادلوں کی طرح ہوتی وہ بادلوں کو تکتی کہہ رہی تھی۔ کیوں اجر تمہیں بادل بننے کی چاہ کیوں ہے جبکہ یہ بادل تو محض ایک سراب ہوتے ہیں امید بارش کی دلاتے ہیں مگر خود کو دکھا کر چلے جاتے ہیں۔ امیرہ تم وہ محسوس نہیں کر سکتی جو میں کرتی ہوں وہ اپنے دھن میں کہہ گئی بتائیں نا کیا محسوس کرتے ہیں اپ وہ ابھی اب جیسے اس سے سب کچھ اگلوانے کے من میں تھی دیکھو میرا یہ بادل کتنے ازاد ہیں اپنی مرضی سے جہاں جی چاہتا ہے چلے جاتے ہیں ہواؤں کے بل پہ اڑتے ہیں کوئی ان کو قید نہیں کر سکتا۔ وہ مسحور کن انداز میں بس بادلوں کو ہی تک رہی تھی۔

السلام علیکم! پھپھو جی۔ وعلیکم السلام میرا بچہ کیا حال ہے تمہارا؟ میں ٹھیک پھپھو میری جان

ادھر میرے پاس تو آکر بیٹھو وہ مصنوعی پیار لٹاتے ہوئے بولی جس کا سر پن وہاں موجود کسی بھی انسان سے مخفی نہیں تھا۔

میں بھی بیگم نے اپنی مرضی سے گھر والوں کی مخالفت کر کے واجد سے نکاح کیا تھا جس نے پہلے سے تین عورتوں کو اپنے نکاح میں رکھا ہوا تھا۔ اور اس کی بنا پر تمام گھر والوں نے ان سے قطع تعلق کر لیا تھا مگر آج وہ 19 سال بعد اپنے بیٹے کی شادی کا دعوت نامہ لے کر حاضر ہوئی تھی اور اس خوشی

کے موقع پر نہ صرف سجاد صاحب نے ان کی معافی قبول کر لی بلکہ شادی میں آنے کی حامی بھی بھر لی۔

میری جان ادھر میرے پاس آکر بیٹھو سجاد کی کتنی بڑی ہو گئی ہے وہ مصنوعی پیاز لٹاتے ہوئے بولی جس کا سردپن وہاں موجود کسی بھی انسان سے مخفی نہیں تھا۔ اجر میری جان تم تو ہم سے کانٹیکٹ ہی نہیں رکھتی وہ پھپھو میں آپ سے کیسے کانٹیکٹ کر سکتی ہوں میرے پاس تو آپ کا نمبر ہی نہیں ہے۔ آئے ہائے یہ تو میں بھول ہی گئی یہ لو نمبر یہ تمہاری کزن علیزے کا نمبر ہے اور تم نے شیزی کی شادی میں لازمی آنا ہے۔ شیزی اس نے سوالیہ انداز میں پوچھا ہاں ہاں شہروز تمہارا کزن یہ دیکھو اس کی تصویر اپنی پسند کی دلہن لا رہا ہے میرا بیٹا اور اب یہ نہ ہو کہ تم نمبر لے کے بیٹھ ہی جاؤ اور اپنے باپ کو نہ بتانا ابھی کہ میں نے تمہیں نمبر دیا ہے ٹھیک ہے ورنہ وہ خفا ہو جائے گا۔ بہتر۔

اجر جی بابا ادھر میرے پاس آؤ جی بابا بابا سے ناراض ہو کیا نہیں بابا میں آپ سے بلا کیسے ناراض ہو سکتی ہوں انہوں نے اس کے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔ بابا آپ ہمیں ایک بات بتا دیں ہم آپ کے سگی بیٹیاں ہیں کہ نہیں باپ بیٹی کا پیار دیکھتے ہوئے سامنے بیٹھی عائشہ علایہ یک زبان بولی ارے تم سبھی میری بیٹیاں ہو لیکن میری اجر کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا انہوں نے اسے سینے سے لگاتے ہوئے محبت بھرے انداز میں کہا۔

خوشخبری

اگر آپ لکھ سکتے ہیں اور اپنے اندر کے لکھاری کو باہر لانا چاہتے ہیں تو لکھاری آن لائن میگزین آپ کو اپنی صلاحیتوں کو نکھارنے کے لئے بہت اچھا پلیٹ فارم فراہم کرتا ہے۔ لکھاری آن لائن میگزین کا حصہ بنئے اور آج ہی اپنی تحریر (افسانہ، ناول، ناولٹ، کالم، مضامین، شاعری) اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں بھیجیں۔ آپ کی کوئی بھی تحریر ضائع نہیں کی جائے گی اور ایک ہفتے کے اندر ہمارے سب ویب بلاگز (ویب سائٹس) اور سوشل میڈیا گروپس اور پیجز پر پبلش کر دی جائے گی۔ مزید تفصیلات کے لئے ابھی رابطہ کریں۔

Wats app No :- 03335586927

Email address :- aatish2kx@gmail.com

Facebook ID :- www.facebook.com/aatish2k11

Facebook Group :- FAMOUS URDU NOVELS AND DIGEST

SEARCH AND REQUEST FOR NOVELS, NOVELS DISCUSSION

ہائے ائی ایم اجر یور کزن اج اچانک یاد آنے پر اس نے پھوپھو کے دیے ہوئے نمبر پر میسج کیا چند منٹ بعد ہی جوابی ٹیکس آگیا ہائے ائی ایم علیزے مجھے بہت شوق تھا آپ سے بات کرنے کا۔ امی نے بتایا تھا مجھے کہ وہ آپ کو میرا نمبر دے کے نہیں ہے بس اسی دن سے میں اس انتظار میں ہوں کہ کب آپ کا میسج آئے اجر کیا آپ مجھے اپنی تصویر بھیج سکتے ہیں دیکھیں نا کتنی عجیب بات ہے کہ ہم دونوں کزنز ہیں اور ہم نے ابھی تک ایک دوسرے کو دیکھا تک نہیں ہے اگر آپ کو کوئی ایشو نہیں ہے تو پلیز آپ مجھے اپنی پک بھیج دیں۔ اور بالآخر اج آپ نے مجھے میسج کر ہی لیا۔ جی وہ بس میرے ذہن سے نکل گیا تھا اس کا دل کھٹک رہا تھا اور دماغ کسی خطرے کا پیغام دے رہا یوں لگ رہا تھا کہ جیسے کسی بپھرتے سمندر کا بند کھول دیا گیا ہو اور ایک طوفان اس کی جانب آ رہا ہو۔ آپی آپ رات کو اتنی دیر تک دیر کس سے باتیں کر رہی تھیں۔ وہ میں علیزے بات کر رہی تھی۔ آپ بھی آپ کو پتہ ہے نا کہ اگر بابا کو معلوم ہوا تو وہ کتنا غصہ کریں گے اچھا اچھا ٹھیک ہے میرا سر پہلے ہی درد سے پھٹ رہا ہے مزید میرا دماغ خراب کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

اجر کیسی ہیں آپ۔ الیزے پلیز تم نا یہ مجھے آپ مت کہاں کرو اب تو ہم دوست ہیں اور دوستی میں تکلف سے نہیں محبت سے بنتی ہے۔ وہ اس کے آپ کہنے سے زچ ہو کر بولی۔ مگر اجر احترام بھی تو ضروری ہوتا ہے۔ وہ تو ٹھیک ہے علیزے مگر احترام چاہنے والے اور چاہت کے درمیان ایک دیوار ہوتا ہے اور دوستی میں اگر احترام آجائے تو پھر وہ دوست نہیں مروت بن جاتی ہے۔ ویسے اجر ایک

بات کہوں اگر تم ماسنڈ نہ کرو تم نہ مجھے بہت اچھی لگتی ہو اگر میں لڑکا ہوتی تو تم سے شادی کرتی۔
 اجر! سجاد صاحب کے آتے ہی اس نے جھٹ سے موبائل بند کر کے تکیے کے نیچے چھپا دیا۔ ج، ج،
 جی بابا وہ اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے بولی۔ علایہ بتا رہی تھی کہ مہوش تمہیں اپنا نمبر دے کر گئی
 ہے۔ اجر میری بات کان کھول کر سن لو وہ عورت کسی کی سگی نہیں ہے۔ خبردار اگر تم نے اس سے
 کوئی رابطہ رکھا۔ وہ اپنی بات کہ کر اُسکے سر پر ہاتھ رکھ کر چلے گئے مگر اس کا چہرہ یہ سنکر خوف کی
 وجہ سے نہ صرف پیلا پر گیا تھا بلکہ ایسا لگتا تھا کہ جیسے اسکی رگوں میں دوڑتا ہوا خون بھی کسی نے
 نچوڑ لیا ہو۔

لاہور کے وسط میں واقع یہ عالیشان محل نمایونیرسٹی اپنی پوری شان و شوکت سے کھڑی اپنے
 مقام و مرتبے کا منہ بولتا ثبوت تھی۔ جی سی یونورسٹی وہ یونورسٹی جسے دیکھتے ہی کوئی بھی ہیری پورٹر
 کے ہوگورڈز کا گمان کر لے۔ اس میں کہ ہول میں سینئیرز اپنی دلی مرادوں کو پورا کرنے کے لیے
 نت نئے منصوبے بنا رہے تھے۔ کیونکہ کل وہ دن تھا جب انہیں یہ موقع ملنا تھا کہ وہ خود پر ہونے
 والے بے جا ظلم یعنی ریگنگ کا بدلہ نئے آنے والے جونیرز سے لے سکیں۔

سورج پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا اگر اس سورج کی کرنوں کے عکس سے کئی لوگوں کے
 چہرے دمک رہے تھے تو کئی لوگوں کے چہروں کو مانند کر کے ان کی دمک سے یہ سورج اپنے جوہن
 پر تھا تو۔ سینئیرز شیطانی منصوبوں سے اپنے دماغوں کو سجائے کوریڈور میں کھڑے جونیرز کا انتظار کر

رہے تھے۔ پارکنگ ایریا میں گاڑیاں قطار در قطار اڑ رہی تھیں۔ ہال میں آنے والے ہر جو نیئر کا استقبال نئی مشکل سے ہو رہا تھا۔

پارکنگ میں کھڑی ایک بلیک مرسدیز سے وہ باہر نکلا وجاہت سے بھرپور جسم پر سیاہ جینز کے ساتھ نیلی ٹی شرٹ پہنے اور اوپر سرمئی ہڈ لیے گلے میں لٹکتی ہوئی سلور چین سفید جوگرز کندھے پہ لٹکتا ہوئے بیگ پرکشش اور گہری سرمئی آنکھیں یونی کا کتنی دیر سے جائزہ لے اور ان پر سچی کالے میٹل کے فریم کی عینک انہیں مزید دلکش بنا رہی تھی کھڑی مغرور ناک اور سیدھ میں تراشے گئے ہونٹ ماتھے پہ گرتے سیاہ ریشمی بالوں نے تیوڑی چھپا رکھی تھی اسے دیکھ کے لوگمان ہوتا تھا کہ جیسے بیوک ادا کا ایک کھویا ہوا شہزادہ ہو جو اپنی سلطنت سے بچھڑ کر یہاں آگیا ہو۔ اسے دیکھ کے کئی لڑکیوں نے اسے بھری تھی مگر اس مغرور نے کسی کو مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔ جناب کدھر اب درشن کروا دیے ہیں تو نام بھی بتا دو وہ ابھی ہال میں داخل ہوا تھا کہ چند جلاد سے سینئیر ریگنگ کے لیے اس کے سامنے آئے۔ واٹ از یور نیم ڈیئر؟ ان میں سے ایک نے آگے ہوتے ہوئے پوچھا۔ "ضرار شاہ" اس نے مختصراً اپنا تعارف کروا کے آگے بڑھ جانا چاہا مگر ان میں سے ایک نے اس کے سامنے ہاتھ کرتے ہوئے اسے روکا وہاں اکیلا ضرار نہیں تھا ارد گرد نظر دوڑاؤ تو ہر طرف مظلوم جو نیئر سے تھے جو آنکھوں میں رحم کی بھیک لیے سینئیرز کے مظالم برداشت کر رہے تھے۔ وہ ایک لمحے کے لیے مڑا تھا اور اس ایک لمحے میں اس نے کام ڈال دیا تھا۔ وہ تھا ہی ایسا ایک لمحے میں کسی کی بھی کایا پلٹنے

والا۔ یہ کیا ہو رہا ہے شہریار وہ جو اس کے کندھے پر لٹکے ہوئے بیگ پہ ہاتھ ڈالنے ہی والا تھا اچانک سے پیچھے سے نوفل شاہ کی آواز سن کے گھبرا گیا جو کہ اس یونی کے ڈین تھے۔ نتھنگ سر۔ ضرار بیٹا سوری میں لیٹ ہو گیا تمہارا ٹیکسٹ پر میں فوراً فس سے آگیا تم اپنی کلاس میں جاؤ۔ جی چاچو اور تم لوگ ذرا میرے فس میں آؤ وہ انہیں حکم دیتے ہیں اپنے فس کی جانب روانہ ہو گئے۔ ائی ایم سوری یار میں نا ایسا ہی ہوں اگر میرے ساتھ برا ہوتا ہے تو بدلہ ضرور لیتا ہوں اور آئندہ میرے راستے میں آنے سے پہلے سوچنا ضرور ورنہ یہ ضرار شاہ کسی پر رحم نہیں کرتا۔ انہیں تنبیہ کرتا وہ بی ایس پولیٹیکل سائنسز کے ڈیپارٹمنٹ کی جانب بڑھ گیا۔

حنیف شاہ زمیندار تھے ان کی شادی ان کی مرضی سے ان کے یونی فیلو زیتون بیگم سے ہوئی جو نہ صرف ان کی محبت بلکہ ان کے لخت جگر کی ماں تھی شادی کے سال بعد بیٹے کی پیدائش سے نہ صرف ان کی زندگیوں میں رنگ بھر گئے بلکہ ان کا گھر خوشیوں سے بھر گیا لیکن ان خوشیوں کا قیام زیادہ دیر نہ رہ سکا اور خزاں آگئی جس کی زد میں نہ صرف زیتون بیگم آئی بلکہ پورا گھر اجڑ گیا۔

بیٹے کی پیدائش کے موقع پر دی گئی ہیپرن کی زیادہ مقدار کو برداشت نہ کرتے ہوئے زیتون بیگم نہ صرف اپنے لخت جگر کو نہ دیکھ پائی بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنے گھر کے انگن کو اپنی پائل کے جھنکار سے سونا کر گئیں۔ محبت کے جدا ہونے کے غم کو برداشت نہ کرتے ہوئے حنیف شاہ بیٹال بات اپنی

محبت کی آخری نشانی کو تنہا چھوڑ کر من و مٹی تلے زیتون بیگم کے پاس چلے گئے۔ معصوم زرار کو نوفل شاہ نے گود لیا جو حنیف شاہ کے چھوٹے بھائی اور دو سال سے بے اولاد تھے سائرہ بیگم نے اسے جان سے عزیز رکھ کر پالا جس کی وجہ سے اللہ نے اپنی رحمت سے ان کی گود ہری کرتی اور انہیں ننھی پری سے نوازا جس کا نام زرار نے پریسہ رکھا۔

اجر مجھ سے ایسی کیا غلطی ہو گئی ہے کہ آپ مجھے اگنور کر رہی ہیں۔ اجر میری پوری زندگی میں صرف تم سے دوستی ہوئی ہے اب تم بھی مجھے چھوڑ دو گی تو پھر میں کیا کروں گی۔ اُسکے اس طرح کے ٹیکسٹ پڑھ کے اسکا دل کڑھ رہا تھا۔ مگر سجاد صاحب کی تنبیہ سے وہ مجبور تھی۔

ونڈالہ روڈ کے اختتام پر خان مارکیٹ میں واقع العظیم اکیڈمی اگرچہ بہت بڑی تو نہ تھی مگر بہت عظیم ضرور تھی کیوں کہ اس میں صرف لڑکیاں زیرِ تعلیم تھیں۔ وہ بھی اسی اکیڈمی میں ننھم جماعت میں پڑھتی تھی۔

تمہیں پتہ ہے پریسہ علیزے اب بار بار ٹیکسٹ کر رہی ہے اور میں بابا کے ڈر سے اُسے رسیلائی نہیں دے رہی ہوں۔ اُسکے چہرے پر اُداسی واضح تھی۔

مغرب کی اذان کے بعد ہونے والی اس بریک میں جہاں حمجولیاں ہنس کھیل رہی تھی وہیں دونوں گفتگو میں مصروف تھیں۔

تم تو پاگل ہو اجر سجاد انکل کو کون بتائے گا کہ تم علیزے سے بات کرتے ہو۔ یار وہ ایک لڑکی ہے انکل نے تمہے مہوش آنٹی سے بات کرنے سے منع کیا ہے علیزے سے نہیں۔ اس نہ لائے کی بات سن کر پرسوچ انداز میں سر ہلایا۔

ابھی اس نے ریزے کی چیٹ کھولی ہوئی تھی کہ سامنے ہی ایک ویڈیو تھی اس نے وہ ویڈیو اوپن کی سامنے والے منظر نے اگر اس کے حلق سے چیخ برآمد کی تو اس کا دل بھی بند ہو گیا تھا۔ علیزے نے اس سے ایک ویڈیو بھیجی تھی جس میں وہ اپنے ہاتھوں پر کٹ لگا رہی تھی۔ یہ کیا حرکت ہے علی سے ارو اوٹ اف یور مائنڈ اس نے شدید تیش میں اکر پوچھا انے والے جواب نے اس کا دماغ گھما کر رکھ دیا۔ اچھا اگر آپ مجھے اسی طرح اگنور کریں گے تو پھر میں بھی ایسے ہی کروں گی یہ جواب دیکھ کر اس سے اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے فون بند کر دیا۔

باغوں کے شہر لاہور کے دل شادہ کے علاقے دولت خان روڈ پر مقیم یہ چھ منزلہ عمارت علاقے کی سب سے بلند عمارت مانی جاتی تھی اس عمارت میں بہت سی زندگی آباد تھیں یوسف صاحب نے اس کو ایک عوامی رہائش گاہ کے طور پر بنایا ہوا تھا جہاں بہت سے کرایا دار رہائش پذیر تھے اس عمارت کے دوسری منزل پہ آخری کمرے میں وہ بیٹھی برائی منزل پر رہنے والی کرائے داروں کی پوتیوں اور ننھی دوست جو کہ اس سے چار سال چھوٹی ضرور تھی مگر زندگی کے حالات میں اسے وقت سے پہلے بہت بڑا سمجھدار بنا دیا تھا وہ امیر اسے بات کر رہی تھی۔

مچھر یہ تم کیا کہہ رہی ہو علیزے نے سلف ٹارچر کیا ہے وہ بھی تمہاری وجہ سے وہ پریشانی میں اس سے پوچھ رہی تھی۔ امیرا یار میری سمجھ میں کچھ نہیں ارہا کہ میں کیا کروں۔ اجر انکل کو پتہ لگ گیا تو پھر کیا ہوگا ان کو تو اس بات کی بھی خبر نہیں کہ تمہارے پاس فون ہے۔ یار ڈراؤ تو مت مجھے میں اگے ہی اس کی وجہ سے بہت ڈری ہوئی ہوں اس نے اپنے کانپتے ہوئے وجود کو قابو کرتے ہوئے کہا۔

کیا ہوا اتنا گرم ماحول کیوں بنایا ہوا ہے خیر تو ہے ابھی وہ دونوں باتیں کر ہی رہی تھی کہ دھڑام سے دروازہ کھولتے ہوئے غازیان اندر آیا اور اتے ہی محلے کی انٹیوں کی طرح چسکے لینے بیٹھ گیا۔ وہ تھا تو اجر سے صرف سات ماہ چھوٹا مگر بے جا پیار نے اسے سات سال چھوٹا کر دیا تھا۔ مکمل بیگم کی چھوٹی بہن نور بیگم کا سب سے بڑا بیٹا تھا اس سے چھوٹے دو جڑوا بھائی تھے جو پیدائشی گونگے بہرے تھے فہد اور فائز ان سے تین سال چھوٹا رسم اور رسم پانچ سال چھوٹا وصی۔ نور بیگم کے پاس اللہ کی دی ہوئی ہر نعمت تو تھی مگر وہ آج تک اس کی رحمت کو ترس رہی تھی فراز عالم نے اپنے ایک دوست اصف سے ان کی بیٹی گودی تھی جس کا نام انہوں نے رومان گل رکھا تھا۔

غازیان اجر ہی کی طرح کے تیکھے نقوش کا مالک ضرور تھا مگر اس کی رنگت اس کی ماں نور بیگم پر تھی گندمی رنگت۔

غازیان کیا مسئلہ ہے کابدھو میں اکیلا چھوڑ دیا کرو ہمیشہ لڑکیوں کی طرح بیچ میں گھس جاتے ہو جاؤ جا کے اپنی پتنگے اڑاؤ اور ہماری جان چھوڑو۔ اجر نے پریشانی کو پسے پیش ڈالتے ہوئے چہرے پر مصنوعی غصہ سے جاتے ہوئے کہا کہ شاید وہ انا میں اکر انہیں اکیلا ہی چھوڑ دے مگر مد مقابل بھی غازیان فراز عالم تھا جو اپنی پرسکون فطرت سے کسی کو بھی تپانے میں ماہر تھا۔ اچھا جانی چلا جاتا ہوں پہلے باتیں تو سن لوں جو راز ہے تم لوگوں کے وہ اپنی مخصوص تپانے والی مسکراہٹ کو چہرے پر سجاتے ہوئے الٹی پالٹی مارے ان کے سامنے بیٹھ گیا اور ان کے تن بدن میں اگ لگا گیا۔ ویسے فیوچر کی فلوپ شاعرہ میرا چڑیل تمہیں اپنے گھر سکون نہیں ہے جو ہر وقت میری سٹریل کزن کو بے سکون کرنے اتی رہتی ہو۔ میرا جو اس کے انے پر ہی برا سا منہ بنائے بیٹھی تھی چڑیل اور سلوپ شاہرہ کا لفظ سن کر تو اس کا میٹر ویسے ہی شوٹ کر کے وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھی جب تذلیل برداشت کرتے منہ پر جواب دیتی تھی۔ تم تو میرے منہ نہ ہی لگو نچلے درجے کے ایڈیٹر خود کو دیکھا ہے کبھی وہ کاف کے دیو اس نے بھی پھر اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تھا۔ جو نہ صرف غازیان کی بولتی بند کر گیا تھا بلکہ اس کو صدمے میں ڈالنے کے لیے بھی کافی تھا۔ اچھا اجر پھر بات کریں گے اس بارے میں اپنا خیال رکھنا وہ ایک پرسکون مسکراہٹ چہرے پر سجائے غازیان کو حیرت زدہ جبکہ اجر کے چہرے پہ ایک مسکراہٹ چھوڑ گئی۔

اے ائی ایم سوری میں ایسی کوئی بھی حرکت دوبارہ نہیں کروں گی پلیز تم مجھ سے بات کرنا بند مت کرو اور جو صرف تم ہی میری دوست ہو میں کیا کروں گی اگر تم بھی مجھے چھوڑ گئے تو اجر میں کس سے اپنے دکھ سکھ بانٹوں گی؟

امیر اس کے بار بار عجیب طرح کے میسج آرہے ہیں یا جس طرح کہ وہ میسج کرتی ہیں میرا دل بند ہوتا ہے۔ اچھا ایک کام کرو انٹی کو بتا دو شاید اس طرح ہمارا مسئلہ سولو ہو جائے۔ وہ دونوں نیلے آسمان کے نیچے بیٹھی تھی جس کی نیلاہٹ اجر کے پورے وجود پر پھیلی ہوئی تھی۔ پاول تو نہیں ہو گئی ہو تم ماما کو بتانے کا مطلب ایسے ہے جیسے اپنے دامن میں خود ہی آگ لگانا مجھے لگتا ہے مجھے اس سے خود ہی بات کر کے معاملے کو سولو کرنا ہو گا اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ اگر بات کر کے کہیں ہم پھنسے نہ جائیں۔ کچھ نہیں ہوتا میرا بھی پوزیٹو وہ امیرا کو یا پھر شاید خود کو مطمئن کر رہی تھی۔

اجر جو چاہے کرو مگر یہ ایت اپنے ذہن میں ضرور رکھنا

اور جو اللہ سے ڈرتا ہے تو وہ اس کے

لیے مشکل سے نکلنے کا راستہ ضرور نکال دیتا ہے

وہ بس ہم سی ہو کر یک تک اسے دیکھے جا رہی تھی گہری نیلی رنگ کے فرائک کے نیچے جینز پہنے کمر تک اتے گھنگریالے بالوں کو مضبوطی سے چوٹی میں قید کیے عقلمندوں کی طرح ہاتھ ہلاتے ہوئے وہ اجر

کو ائندہ حالات سے بہرامند کروا رہے تھے وہ تو بس انہی سوچوں میں اٹک کر رہ گئی تھی کہ یہ ننھی پری اتنی سی عمر میں اتنی پختہ باتیں کیسے کر لیتی ہے۔

امیر انور صوفیہ بیگم اور خلیل صاحب کی سب سے بڑی صاحبزادی اس سے دو سال چھوٹی مروہ شہزادی امیرہ سے بالکل مختلف تھی جہاں امیرہ محاسن زدہ چہرہ لیے گندمی پری تھی تو وہیں مروہ شفاف چلت اور دودھیارنگت کی حامل تھی مگر زاہد گورا ہو جانے سے باطن کی سیاہی کم نہیں ہو سکتی ہے ان سے چھوٹے دو بھائی تھے ارحم اور تابش۔

ریس کورس پارک میں وہ بیچ پر بیٹھا تھا سرمئی ٹراؤزر پر سفید شرٹ پہننے خالی نظروں سے آسمان کو تک رہا تھا جہاں پرندے چوک در چوک اپنے گھروں کو جا رہے تھے وہ کوئی اعلیٰ مصور کا تراشیدہ مجھے اس مالک رہا تھا کیا نہیں تھا اس کے پاس دولت اس طرح مان تعلیم ہر وہ چیز جس کی کوئی خواہش کرتا ہے اس کے پاس تھی سوائے ماں باپ کے جنہیں لوگ ان چیزوں کے لیے دھتکار دیتے ہیں البتہ اس کے پاس ماں باپ سے زیادہ پیار کرنے والے چچا چاچی تھے جنہوں نے اس میں اور پریسہ میں کبھی فرق نہیں کیا تھا مگر قدر اس کو ہوتی ہے جو پا نہیں سکتا۔

قدر نہیں ہے تجھے کیونکہ مفت میں ملے ہیں وہ انسان جو مجھے ہر قیمت پر چاہئیں وہ سامنے بیٹھے لڑکے سے کہتا جو کتنی ہی دیر سے اپنی بوڑھی ماں کو دھتکار رہا تھا ڈھلتے سورج کے ساتھ کہیں ڈھل گیا تھا۔

اجر معافی تو گناہوں کے بھی مل جاتی ہے میں نے تو پھر غلطی کی تھی کیا تم مجھے معاف نہیں کر سکتی علیزے نے منت بھرا میسج بھیجا تھا۔ بس علی سے اب میں تم سے مزید کوئی بھی بات نہیں کرنا چاہتی اور دوبارہ مجھے میسج نہ کرنا اس نے تلخ لہجے میں کہا تھا۔ اس نے امیرہ کے کہنے پر علیزے سے بات کرنا بند کر دی تھی۔

اجر وہ تمہیں بے وقوف بنا رہی ہے اور تم بنتی جا رہی ہو کیونکہ تم اس کے ہاتھوں بے وقوف بننا چاہتی ہو اجر اس کے ہاتھوں کو دیکھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی لڑکی نہیں ہے امیرہ کہہ گئے الفاظ اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔

اجر اجر غازیان چلاتا ہوا کمرے میں آیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک ڈبہ تھا جو لال گفٹ ریپ میں پیک تھا۔ وہ کیا ہے غازیان وہ چڑھ کر بولی کے ہاتھ میں ڈبہ دے کر سوالیہ نسوں سے اس کی طرف دیکھا۔ کیا ہے یہ اس نے حیرت اور سے تجسس کے ملے جلے اثرات سے ڈبے کو تکتے ہوئے کہا جسے غازیان میز پر رکھ کر اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ اجر یہ کہیں بمب تو نہیں جو تمہاری کسی دوست نے تم سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے بھیجا ہو وہ ابھی تک اسے الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔ پاگل ہو کیا تم دیکھو کوئی تو پوسٹل آرڈر ہو گا اس پہ اچا اسے کھولو تو سچ دیکھو تو اس میں ہے کیا وہ بس پارسل کو دیکھنے کے تجسس میں تھا۔ اس میں ڈرتے ڈرتے پیکٹ کھولا ڈبے میں سے ایک چنبیلی کا پھول اور ایک کارڈ نکلا۔ سرمئی کارڈ کھولنے پر اس کے وسط میں بڑا بڑا لکھا ہوا حرف سوری چمک رہا تھا مانو سونے کو

پگھلا کر لکھا ہو۔ اپنی یہ کیا ہے اور کس نے بھیجا ہے عائشہ جو اجر کو بلانے آئی تھی گفٹ دیکھ کر کھٹک سی گئی۔ تھک تو کہیں اجر بھی گئی تھی امیرا کی باتیں اس سے کہیں نہ کہیں سچ ہوتی نظر آرہی تھی۔ اجل تم مانو نہ مانو یہ اسی چڑیل فلوپ شاہدہ کا کام ہے غازیان زہرہ کر پھر اسی بیچاری پر اکر اٹک گیا تھا۔

اس نے نہ جانے کس خیال کے تحت علیزے کی چیٹ اوپن کی تھی کے ساتھ ہی میسجز آنا شروع ہو گئے۔ کون ہو تم؟۔ اس نے بے ساختہ پوچھ لیا جواب وہ جانتی تھی مگر انے والے جواب نے اس کے دماغ کا پرزہ پرزہ ہلا کر رکھ دیا تھا وہ جواب اس کی توقع کے بالکل مخالف تھا۔ ائی ایم شہروز۔ یہ وہ جواب تھا جو وہ کبھی مر کے بھی نہیں سوچ سکتی تھی۔ ائی ایم سوری اجر اینڈ ائی بو وانٹ ٹو میری یو اور گفٹ کیسا لگا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے کسی نے اس کے دماغ پر کھولتا ہوا سیسہ ڈال دیا ہو اس کے کانوں کو کاٹ دیا ہو اور اس کی آنکھوں نے کبھی دیکھنا ہی نہ سیکھا ہو اس نے سیکنڈ سے پہلے اس کا نمبر بلاک کیا اور موبائل اٹھا کے تکیے کے نیچے رکھ دیا۔

السلام علیکم آپا کیسے ہیں آپ۔؟ وعلیکم السلام مہوش تم آج یہاں کیسے مجھے تو لگا تو میں بھول گئی ہو رابعہ بیگم جو آٹا گوند رہی تھی ہاتھ صاف کرتی ان کی طرف بڑھی اور پر شکوہ انداز میں بولی۔ ارے نہیں اپ پر ایسی کوئی بات نہیں ہے مس اماں کہاں پہ ہیں نظر نہیں آرہی وہ ادھر ادھر نگاہ دوڑاتے ہوئے بولی۔ وہ حماد کے گھر ہیں۔ السلام علیکم خالہ کیسے ہیں آپ عبید نے اندر اتے ہوئے تابعداری سے

سلام کیا۔ وعلیکم السلام میرا بچہ میں ٹھیک تمہارا کیا حال ہے انہوں نے اس کا ماتھا چومتے ہوئے کہا۔ کھیر خالہ اس نے بھی اگے سے ویسے ہی جواب دیا۔ ویسے ابا اب اس بیچارے کی بھی کئی بات وغیرہ چلائیں علیم کی بھی شادی ہو گئی ہے ذیشان فیضان کی بھی منگنی ہو گئی ہے سب اپنی اپنی زندگی میں مصروف ہیں میرے اس معصوم سنی پر بھی تو ترس کھائیں انہوں نے مامتا سے بھرپور لہجے میں کہا۔

ہاں صاحبزادہ بھی یہی چاہتا ہے۔ کیا مطلب اس کو کوئی پسند ہے کیا مہوش نے تجسس سے پوچھا۔ اچھا خالہ مجھے ذرا کام ہے تو میں نے ابراہیم کے ساتھ جانا ہے وہ محفل سے پیار لیتا اور آنکھوں ہی آنکھوں سے رابعہ کو چپ رہنے کی تلقین کرتا وہاں سے باہر نکل گیا۔ ویسے اور میرے زخموں پر مرہم لگانے والے اگئے اسے دیکھ کر ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے کئی یادیں ایک ساتھ اس پر حملہ آور ہوئی ہیں۔ اور آج میں اس مقام پر کھڑی فتح کا جھنڈا لہرا رہی ہوں وہ صرف انہی ہمسفروں کی بدولت ہے۔ وہ مسکرائی تھی ائی مس یو اجر اس کی آواز بند گئی تھی پورا ہال تولیوں سے لبریز تھا وہ بیک سیٹج پر کھڑی اپنی آنکھوں میں ائی نمی صاف کر رہی تھی کیونکہ ابھی اس سے بہت سے لوگوں کا سامنا کرنا تھا ادھر اجل بھی بے آواز ہو رہی تھی کئی بھٹکتی ہوئی یادوں کی ٹولی اس کے ذہن کے گھر میں ائی تھی کہ ادھر وہ کسی کی فرمائش پر غزل سنانے دوبارہ سیٹج پر آگئی۔

چلو ایک کام کرتے ہیں سانپوں کو آرام دیتے ہیں

چھوڑ کے بشر کو بشر پہ قصہ اختتام دیتے ہیں
 معلوم ہوگا دیکھ کے تم کو ان کا پل پل بدلتا رنگ
 وہ تو لومر کی چالاکی کو بھی کر تمام دیتے ہیں
 نہیں ہے ان سے بڑھ کر عدو و یار اس جہاں میں
 وہ ایسے ماہر تلخ ہیں کہ خوشی میں بھی دوام دیتے ہیں
 چلو ایک کام کرتے ہیں فلزہ موت کا اہتمام دیتے ہیں
 انسان کو انسان سے ہی اب ہم انجام دیتے ہیں۔

وہ غزل سنا کر جا چکی تھی ادھر اجر نے بھی ٹی وی بند کر دیا تھا اس کا دل امیرہ کی طرف سے کافی
 حد تک مطمئن ہو گیا تھا مگر اگر پہلے دل میں اس سے ملنے کی ارزو تھی تو اب یہ ارزو بے قراری میں
 بدل چکی تھی۔

اجر اب کو پریکٹیکل کی تیاری کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اپنے امتحانات کی وجہ سے وہ تین
 ہفتے کسی سے کوئی رابطہ نہیں رکھ پائی۔ ابھی پیپر ختم ہوئے دو دن ہی ہووے تھے کہ ضرار نے اُسے
 پریکٹیکل کی تیاری کرنے سے منع کر دیا تھا۔ کیوں؟ اُس نے خاصے تیکھے لہجے میں پوچھا تھا انداز اس تھا
 کے تم ہوتے کون ہو آخر مجھ پر حکم چلانے والے۔

میرا مطلب ہے کہ آپ اپنا ٹائم ویسٹ نہ کریں آپکو کاپی بھی کالج میں مل جائے گی اور آپکے پریکٹیکل بھی ہو جائیں گے۔ آپکو کالج جانے کی بھی ضرورت نہیں ہے میرے ریفرنس سے آپکا سب کچھ ہو جائے گا۔

میں کسی کا احسان نہیں لیتی مسٹر ضرار اُس نے تپ کر کہا تھا۔ اجر احسان نہ سہی اسے میری التجا ہی سمجھ لیں پلیز۔ کافی بحث کے بعد وہ مان گئی۔

بائیو اور کیمسٹری کا پریکٹیکل تو اس نے گھر بیٹھ کر دیا۔ مگر فزکس کے پریکٹیکل میں اُسے جانا پڑا ضرار کا کہنا تھا کہ آج چیکنگ کا لیے انتظامیہ نہ آنا ہے تو اُسے جانا پڑے گا۔

سیاہ عبایا پر کوپر حجاب پہنے وہ عائشہ کے ہمراہ کالج کے گیٹ پر کھڑی تھی۔ نیلے اور سرمئی رنگ کے امتزاج کا عائشہ ڈگری کالج کا گیٹ بند تھا۔ تھوڑی دیر بعد جوق در جوق لڑکیاں آنے لگیں۔ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے عائشہ میں نے ایک لفظ تک نہیں پڑھا اور نہ ہی میرے پاس کاپی ہے وہ متفکر انداز میں ادھر ادھر رٹے مارتی لڑکیوں کو دیکھ کر بولی۔ اپنی ٹینشن نہ لیں ضرار بھائی سب ہینڈل کر لیں گے۔ لیب اٹینڈنٹ کے کہنے پہ سب لڑکیاں لیب کی جانب بڑھ گئیں۔ وہ بھی عائشہ کو فون تھماتی چلی گئی۔ ابھی اُسے اندر گئے چند منٹ ہی گزرے تھے کہ ضرار کی کال آئی۔ السلام علیکم اجر میں ضرار۔ عائشہ نے کال پک کی تھی وہ جو اس خوشی سے ساری رات نہیں سویا تھا کہ آج وہ پہلی دفعہ اُسکے آواز سننے کا عائشہ کے کال پک کرنے پہ نہ صرف اُسے عائشہ پہ غصہ آیا بلکہ اجر کے لیے فکر بڑھ گئی۔ بہن

کہاں ہے تمہاری؟ اُس نے پریشانی میں پوچھا عائشہ نہ جو کی تو بات اُسے بتا دی جسے سننے کے ٹھیک دس منٹ بعد وہ کالج میں تھا۔

نیلا ٹراؤزر اور کالی دھاری دار شرٹ پہنے وہ اپنے بکھرے بالوں کے ساتھ کو اپنے رف حلیے میں بھی غضب ڈھا رہا تھا۔ عائشہ کو چند چیزیں پکڑاتا اور اس سے اجر کا موبائل لیتا وہ لیب کی طرف بڑھ چکا تھا۔ وہ دوسرے ٹیبل پر بیٹھی تھی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسوؤں بہ رہے تھے۔ اسکا دل چاہ رہا تھا کہ ضرر اُسکے سامنے ہو اور وہ سامنے پڑا میٹل راڈ اُسکے سر پر دے مارے ابھی وہ سوچوں میں ضرر پر تشدد کے ہی رہی تھی کہ وہ اندر داخل ہوا اور پورے اعتماد سے اپنا کارڈ نکال کر ممتحن کی طرف بڑھایا۔ w

وہ شاہدہ کا ہونے والا چیئر مین بظاہر تو بہت مطمئن نظر آ رہا تھا مگر اسکا دل ایسے دھڑک رہا تھا کہ جیسے ابھی ساری دیواریں توڑ کر باہر آ جائے گا۔ ادھر ادھر نگاہ دوڑاتے بلاخر اُسے کو نظر آ ہی گئی۔ و سر جھکائے بیٹھی تھی۔ وہاں موجود ہر لڑکی بس اُس تراشیدہ مجسمے کو دیکھ رہی تھی جو اب اپنی شہزادی کے سر پر کھڑا تھا۔

اجر! اُف کتنی مسحور کوں آواز تھی اُسکی ایسی آواز تو اس نے زندگی پہلے کبھی نہیں سنی تھی اجر کے دل نے گواہی دی تھی۔ یکلخت اُس نے سر اٹھایا دونوں کی نظریں ٹکرائی تھیں۔ ایک پل کے لیے تو اس حسین مجسمے سے جان نکال کر کسی نہ اُسے بے جان کر دیا تھا۔ وہ رو رہی یہی ہاں اُسکی اُداسی آنکھوں

سے بارش ہو رہی تھی پہلے وہ نا سمجھی سے اُسے دکھتی رہی پھر جسے پھر جیسے اس مجسمے کے سحر سے عالم ہوش میں آنے پر اُس نے رخسار پھیر لیا۔ و بے جان تراشیدہ مجسمہ اپنے خواب کے یوں منہ پھیر لینے سے ریزہ ریزہ ہو کر اجر کی اناؤں کے صحرا میں غرق ہو گیا۔

تم جو نظر پھیر لو ہم سے

ہمارا قصہ تمام ہو۔

وہ گاڑی میں پچھلی سیٹ پر عائشہ کے ہمراہ بیٹھی تھی۔ وہ بیٹھا تو آگے تھا مگر اس کہ دل اُس کا دل و دماغ تو اس اناؤں کی شہزادی کا پاس تھا۔ ضرار کے کہنے پہ ممتحن نے اجر کا پیپر خود حل کیا وہاں موجود ہر لڑکی حیرت سے بس خالق کی اس حسین تخلیق کو دیکھ کر رہی تھے جیسے کسی سے کوئی سروکار نہیں تھا۔

اُس نے گاڑی اجر کے کہنے پر سڑک پر ہی روک دی۔ "اجر" ابھی وہ گاڑی سے اُتری ہی تھی کہ اُس کے پکارنے پر وہ پلٹی۔ یہ آپکے لئے۔ وہ اپنے ہاتھ میں ایک طوطا لیے کھڑا تھا۔ نیلے رنگ کا آسٹریلیئن طرز کا کو طوطا بہت خوبصورت تھا جس کے گلے میں ایک بیل لٹک رہی تھی۔ کو تو بس اُس کی سبز آنکھوں میں کھو گئی تھی۔ اُسے طوطے بہت پسند تھے۔ وہ اُسے صرف طوطا نہیں دے رہا تھا بلکہ اُس کے ساتھ اور بھی کچھ دے رہا تھا جسے لینے سے وہ کترا رہی تھی۔ مگر وہ اپنے دل کے ہاتھوں مجبور تھی ایسی لیے تکلف میں بھی منع نہیں کیا اور طوطے کے اگے اپنی انگلی کر دی۔

جو ضرار کی انگلی سے اُس کی انگلی پہ جا بیٹھا۔ اجر اس میں میری داستان حیات ہے کہ وہ پلٹا اور گاڑی میں بیٹھ گیا۔ وہ بھی نہ سمجھی کے عالم میں پٹی اور چلی گئی۔

ارے اجرے طوطا کہاں سے اٹھا لائی ہو۔ ابھی وہ گھر میں داخل ہوئی تھی کہ نور بیگم اُسے دیکھتے بیزاریت سے بولیں۔ راستے میں پڑا تھا خالہ اٹھا لیا۔ مختصر جواب دے کر وہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔

اجر اب ٹھیک تو ہیں۔ دو دن بعد ضرار نے اُسے کال کی۔ جی۔ آپکو سلیم کیسا لگا۔ سلیم؟ اُس نے سوالیہ انداز میں پوچھا تو کندھے پہ بیٹھا طوطا پڑ پھرانے لگا۔ جی میرا طوطا۔ اوہ۔ بہت پیارا ہے اور اب تو مجھ سے مانوس بھی کافی ہو گیا ہے۔ اچھا ضرار رات کافی ہو گئی ہے اور اب مجھے سونا ہے بائے وہ فون کاٹنے ہی والی تھی کہ اُس کی آواز سن کر رکی اجر آپ کال مت کاٹیں مگر کیوں آپ نہ کیا کہنا ہے مجھ سے میں تو سونے لگی ہوں وہ حیرت سے بھرپور لہجے میں بولی۔ میں آپکی خاموشی سنوں گا۔ اچھا قہقہہ لگا کر ہنسی۔ ٹھیک ہے کہ کر اُس نے موبائل تکیے پر رکھا اور سو گئی۔ صبح اٹھی تو پتہ چلا کہ کال مسلسل 5 گھنٹے چلی تھی جس میں اُس نے صرف اُس سے 20 منٹ بات کی تھی۔

موبائل ہاتھ میں پکڑے وہ چھت پر ایک کونے میں بیٹھی تھی۔ آج امیرہ کا لائیو سیشن تھا اور نے تھا کے آنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ اُس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ سارے نیٹ ٹراؤزر کو آگ لگا دے کتنا انتظار کیا تھا اُس نے اس سیشن کا۔ تھوڑی دیر بعد نیٹ آگیا ابھی سیشن شروع ہونے میں چند منٹ تھے۔

وہ اس وقت عباس نگر گورنمنٹ کالج کے سیمینار ہال میں کھڑی تھی۔ وسیع و عریض ہال میں کرسیاں ہی کرسیاں تھیں۔ یہ کالج بہت بڑا تو نہ تھا مگر بہت خوبصورت ضرور تھا۔ ہر سو پھولوں کی خوشبو مہک رہی تھی۔ وہ اسی کالج میں ہی زیرِ تعلیم تھی مگر جہاں فیسٹیول جیتنے کے بعد سے کئی کالجز سے آفرز آئی تو اس کے اپنے کالج نہ بھی اُس کے لیے سیشن منعقد کیا۔

السلام وعلیکم! سادہ سیاہ شلوار قمیض پر سیاہ ڈوپٹہ گلے میں دل وہ سیشن کا آغاز کر چکی تھی۔ میرا آج کا موضوع ہے بھلائی اور برائی وہ اپنے نرم اور پراعتماد لہجے سے سب کو تسخیر کرنے کا ہنر رکھتی تھی اور وہ یہی کر رہی تھی۔

بخت کا کھیل وہ کھیل جس میں بڑے بڑے کھلاڑی بھی ہار جاتے ہیں اور کمتر سے کمتر انارٹی بھی بازی لے جاتے ہیں۔ ایک طرف سے ہاتھ بلند ہوا تھا۔ ایک یونیفارم میں ملبوس اُلجھی نظروں والی لڑکی کھڑی ہوئی۔ کوشش تو انارٹی اور کھلاڑی دونوں کرتے ہیں مگر ہوتا وہی ہے جو نصیب میں لکھا ہو اللہ کے لیے تو سب برابر ہیں تو پھر وہ کی کسی کو دیکھ میں تو کسی کو سکھ میں دکھ کے خوش ہوتا ہے۔ اُس کے چہرے پہ ایک مسکراہٹ آئی تھی جیسے اُسے اس سوال کی توقع ہو۔

انارٹی اور کھلاڑی دونوں ہی کوشش کرتے ہیں مگر نصیب اُن کو پایہ تکمیل تک پہنچاتا ہے۔ اُس نہ نرم لہجے میں اپنی بات کا آغاز کیا۔ مگر کیا آپکی ماں آپکو اُس چیز سے نہیں روکتی جو آپکے لئے تکلیف کا باعث ہو اور جس سے آپکو نقصان پہنچے۔ وہ خاموش ہو گئی تھی اس لڑکی کا سر نفی میں ہلا تھا تو پھر

جب ایک ماں کا پیار ایسا ہے کہ وہ اپنی اولاد کو دکھ میں نہیں دیکھ سکتی تو پھر وہ جو انسان سے ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرتا ہے وہ کیسے کسی کو غم دے سکتا ہے اور اپنے کہا وہ خالق کسی کو دکھ میں تو کسی کو سکھ میں دیکھ کر خوش ہوتا ہے آپکو پتہ ہے دکھ اور سکھ ہر کسی کے پاس ایک جتنا ہوتا ہے۔ بس انہی بیلنس کرنا کسی کو آتا ہے۔

کوئی اپنے دکھ کو پس پشت ڈال کر عالم ناپید میں ملنے والی خوشیوں میں مگن ہو جاتا ہے۔ تو ہماری نظر میں اس سے زیادہ سکھی کوئی نہیں۔ اور کوئی اپنی تمام تر خوشیوں اور نعمتوں کو ناشکری کے صندوقے میں بند کر کے محرومیوں کا رونا لے کر بیٹھ جاتا ہے۔ اُسے دکھ کر اس سے زیادہ دکھی بندہ کوئی معلوم نہیں ہوتا۔

اور نصیب واقعی اللہ کے ہاتھ میں ہے اگر بندے کے ہاتھ میں ہوتا تو کو اس کا ہیرا غرق کر کے کہتا کاش اللہ نہ ہمیں یہ حق نہ دیا ہوتا۔ نصیب واقعی بدلتا ہے دعا سے اگر نہ بدلنا ہوتا تو اللہ دعا کے ادب کیوں سکھاتا۔ ہم تو خوش قسمت ہیں جو ہمیں دعا کا حق حاصل ہے اس دنیا میں اسے بہت سے بد قسمت بھی ہیں ہو بظاہر تو دنیا کی ہر نعمت سے مالا مال ہیں مگر ان کے دل پر سکون نہیں وہ سب کچھ ہونے کے باوجود تہی دست اور تہی دامن ہیں۔ کیونکہ انہی دعا کا حق حاصل نہیں ہے۔ اللہ دعا کا حق ہی اسے ڈیٹ ہے جس کی قبول کرنی ہو۔ ایک پل کے لیے اجر کو اپنا وجود خوش قسمت ترین لگا تھا۔

ہر چیز ہے انسان کے حق میں بہتر نہیں ہوتی۔ ایک اور لڑکی ہاتھ بلند کیے سوال کی منتظر تھی۔ آپکے مطابق ہے چیز کسی نہ کسی کے لیے زندگی کا مقام رکھتی ہے۔ اُس نہ تردید چاہئے امیرہ نہ بھی سر ہاں میں ہلا دیا۔ آگ تو سب کچھ جلا دیتی ہے تو پھر وہ کیسے کسی کی زندگی ہو سکتی ہے۔

اُس نے اُسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ہمیں لگتا ہے کہ آگ جلاتی مگر جہاں تک مجھ نا سمجھی کو علم ہے آگ تو بناتی ہے سونے کو کندن اسکی تپش میں جل کے ہی ایک کمتر چیز کندن بنتی ہے اور کندن بنے بغیر زندگی بھی بنتی۔ کبھی درخت کیڑے کو آگ میں رہتے سنا ہے۔

ہال میں ایک دم کئی نظروں کا تبادلہ ہوا تھا کئی سر نفی میں ہلے تھے مگر یونہی میں سے ایک مسکراہٹ نہ اُس کا حوصلہ بڑھایا۔

قرآن میں سورۃ صفات میں ایک درخت کا ذکر ہے جس پر لعنت کی گئی ہے اور وہ درخت سعودیہ میں اُگ گیا ہے زقوم کا درخت یہ جہنمیوں کی خوراک ہے اس کی جڑیں آگ سے نکلتی ہیں اسکا پھل شیطان کے سر جیسا ہے۔

چند ساعت کے لیے وہ خاموش ہوئی ہال میں ہر کوئی اسے دم سادھے سن رہا تھا اس نہ دوبارہ بولنا شروع کیا۔ سمندل ایک کیڑا ہے جو آگ میں پیدا ہوتا ہے آگ میں رہتا ہے بلاد ترک میں اسکے اُون کی تولیاں بنائی جاتی ہیں جو گندی ہونے پر آگ میں ڈال کر صاف کر دی جاتی ہیں۔ شتر مرغ انگارے کھاتا ہے۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

- تجلی نار تھی یہ نور نہ تم سمجھے نہ ہم سمجھے
جلا کیونکر یہ کوہ طور نہ تم سمجھے نہ ہم سمجھے
ہے وہ شہ رگ سے بھی زیادہ قریب یہ قرآن کہتا
ہے۔

شہ رگ ہے ہم سے کتنی دور نہ تم سمجھے نہ ہم سمجھے۔
کہ کر وہ اسٹیج سے اتر آئی تھی اجر ابھی تک بس موبائل کو ہے یک ٹک ٹک رہی تھی
اُسے تو یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ یہ امیرہ تھی۔
سر! وہ سیمینار ہال کے باہر کھڑا فون پر بات کر رہا تھا کہ پیچھے سے آنے والی آواز پر وہ پلٹا۔ وہ اس
کے سامنے کھڑی تھی۔ جی موبائل جیب میں ڈالتا ہے اب اس کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔
مجھے اپ سے بات کرنی ہے بھائی۔ جی بولو۔ وہ اپنی انگلیاں مرو رہی تھی دیکھتے ہوئے وہ کچھ سمجھتے
ہوئے بولا۔ اگر آپ کو کسی مدد کی ضرورت ہو تو۔ نہیں بھائی دراصل مجھے آپ سے اجر کے بارے میں
بات کرنی ہے وہ اس کی بات کاٹ کر بولی اس کا جیب میں جاتا ہوا ہاتھ اس نے رکتے دیکھا تھا۔ زرار
کو آج پتہ لگا تھا کہ یہ نام اس کی زندگی میں کیا اہمیت رکھتا ہے۔ اس سوالیہ نظروں سے اس کی جانب
دیکھ رہا تھا جسے سمجھتے بولی میں اجر کی فرینڈ ہوں امیرہ نور۔

وہ سیمینار میں بطور چیف کس انوائٹڈ تھا امیرہ اس کو دیکھتے ہی پہچان گئی تھی کیونکہ وہ اس وقت سڑک پہ ہی موجود تھی جب اس نے اسے طوطا دیا تھا۔

السلام وعلیکم ابھی وگھر میں داخل ہی ہوئی تھی کہ لاؤنج میں بیٹھی ہوئی عورت پہ نظر پڑتے ہی رکی اور اپنے سلام کر کے بغیر جواب کا انتظار کیے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔
ابھی وہ فریش ہو کر بیڈ پر بیٹھی ہی تھی کہ عائشہ کمرے میں داخل ہوئی اس کے چہرے پر ایک نئی چمک تھی۔

آپی وہ گیسٹ آئے ہوئے ہیں تو ماما کو بولا رہی ہیں۔ اس کے کہنے پر اُسے اچانک صوفے پر بیٹھی ہوئی وہ نفیس سے عورت یاد آئی ہلکے نیلے اور گلابی رنگ کے امتزاج کی ساڑی زیبتن کیے ہوئے ہم رنگشال کندھے کے ایک طرف لٹکی ہوئی تھی سنہرے والوں کو جوڑے مقید کی ہلکا ہلکا میک اپ کیے وہ بلاشبہ اپ نے جلدی عمر کے باوجود بھی بہت حسین تھی۔

کون ہے وہ اس کا اشارہ سمجھتے ہوئے عائشہ سیانی ہنسی ہنسی اور پھر اجر کی طرف سے انے والی گھوری پر وہ ایک دم سیدھی ہوئی۔ پریمیا اپ کی امی اور زرار بھائی کی چاچی ہیں وہ اس سے ان کے انے کا مقصد پوچھنے ہی والی تھی کہ قبل بیگم کی اواز تو وہ دونوں لانچ میں داخل ہوئی۔

سادہ سفید شلوار قمیض پر لال دوپٹہ سر پر اوڑھے وہ سائرہ بیگم کے مقابل بیٹھے تھے جو شائستہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ بیٹا میں آپ کے لیے ضرار کا پروپوزل لے کر آئی ہوں۔ اپ کو کوئی

اعتراض تو نہیں ہے؟۔ اور میں نے محبت اور امید سے بھرپور لہجے میں پوچھا۔ ائی ایم سوری آنٹی میں کسی اور کو پسند کرتی ہوں اور صرف اسی سے ہی شادی کروں گی اس کا لہجہ سخت تو نہ تھا مگر اٹل ضرور تھا ساڑہ بیگم کے چہرے کی خوشی ایک پل میں غائب ہو گئی اور وہ چہرہ لٹھے کی ماند سفید ہو گیا۔ بیٹا اب کو پتہ ہے میرے سر ار کے پاس سب کچھ ہے دنیا کی ہر نعمت ہے اس کے پاس مگر میں نے کبھی اسے مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا بیٹا جب سے اس نے اپ کو دیکھا ہے وہ چلتا پھرتا مجھے سمجھ زندہ ہو گیا ہے اس کے چہرے پر مسکان آگئی ہے اگر اب وہ ٹوٹا تو اس کی بکھری کرچیوں کو سمیٹنا ناممکن ہو جائے گا۔ وہ کہہ کر اٹھی اس کے سر پر ہاتھ رکھا مجھے معلوم تو تھا کہ میرے ضرار کی پسند عام نہیں ہو سکتی اور تم جیسے خود کوئی کافی ٹھک رہے گا کہہ کر وہ چلی گئی پیچھے اسے سوچوں میں گم چھوڑ گئی۔

ابراہیم اج میں نے پروپوزل ایا ہے لڑکا شاد رہے گا ہونے والا چیئر مین ہے میری فرینڈ کا بھائی ہے گھر والے مجھے فورس کر رہے ہیں وہ ابراہیم کو اج ہونے والے واقعے کی روداد سن رہے تھے جسے سن کر وہ ایک دم بھڑک گیا۔ اگر تم کیوں مجھے پاگل کر رہی ہو میں نے تمہیں سمجھایا بھی تھا کہ اگر نہیں پڑھنا مگر تمہیں میری بات سمجھ نہیں آتی اور اپنی فضول دوستوں سے تعلق ختم کرو اگر ہماری شادی ہونی ہو تو ہو جائے گی اور لازمی ہوگی۔ ابراہیم میری بات تو سنو میں نے انکار کر دیا ہے پلیز لیکن پھر

بھی تم جلدی کچھ کرو ابھی میں بات مکمل بھی نہ کر پائی تھی کہ ابراہیم نے جھٹ سے فون بند کر دیا۔

اور اسی لباس میں ملبوس وہ آسانی ہو اپنی شہزادی کی میت کے آگے گھٹنوں کے بل بیٹھی پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔

سکون حاصل ہونے کا اب نہ کوئی راستہ ہے
کسی کی یاد سے ہی تسکین جاں وابستہ ہے

وہ امیرہ کی نئی پوسٹ دیکھ رہی تھی اس نے اپنا نام بدل لیا تھا وہ امیرہ سے فلزہ بن گئی تھی فلزہ گل مطلب جنت سے آیا ہوا غلاب اس نے کئی بار اسے میسج کیا تھا مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ اجر اجر غازیان چیختا ہوا آیا تھا۔ وہ اسے شاید پہلی مرتبہ اس حال میں دیکھ رہی تھی۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا گندمی رنگت لال ہو گئی تھی۔ وہ جانے دے پائی کے یہ سب کیا ہے؟۔

اٹھو اور چلو میرے ساتھ اس نے اسے بازو سے پکڑ کے بیڈ سے کھڑا کیا اور اپنے پیچھے کھینچنے لگا۔ لیکن غازی ہوا کیا ہے وہ بھی تک نا سمجھی سے سب کچھ دیکھ رہی تھی وہ اسے کھینچتے ہوئے کمرے میں لایا جہاں صوفوں پر بیٹھے ضرار کو دیکھ کر وہ تعجب میں آئی۔ اور سب سے زیادہ متعجب کرنے والی ضرار کی حالت تھی۔

وہ بال جو ہر وقت جیل سے سیٹ کیے ہوئے ہوتے تھے وہ الجھے اور بکھرے پڑے تھے انکھوں کے گرد سیاہ ہلکے اس کے دل میں جلتے چراغوں کے بجھنے کی سیاہی لگ رہے تھے ناک اور انکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔

میری عمر بھر کی مسافتیں مجھے ایک پل ناٹھکا سکیں

تیری ایک نظر کی بے رخی سے میں ذرہ ذرہ ہو گیا
اچھا پلیر اجر میرے ساتھ ایسا نہ کریں وہ ایک دم والہانہ انداز میں اس کی طرف لپکا غازیان نے اسے روکنا چاہا مگر وہ اس سے خود کو چھڑواتا اس کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

ایک لمحہ تھا وہ بس وہ فوراً ہی دو قدم پیچھے ہو گئی کمرے میں اس وقت ان کے علاوہ کنول سجاد ، حسین، نور اور غازیان تھے۔

وہاں موجود ہر شخص تعجب سے کہ نایاب منظر دیکھ رہا تھا

شاد رہ کا ہونے والا چیئر مین ایک عام سی لڑکی کے قدموں میں بیٹھا تھا مگر مسئلہ ہی تو یہ تھا کہ وہ عام نہیں تھی۔ وہ جو قبضے چھڑوانے میں معروف تھا انج اپنے دل پر قبضہ کرنے والی کے قدموں میں ڈھیر تھا۔ مماغرور مجسمہ بربری کا ڈھیر ہو کر اس کے قدموں کے ریت بن گیا تھا۔

اس نقش پاک پہ سجدے نے کیا ہر جگہ ذلیل

میں کوچ محبوب میں بھی سر کے بل گیا

اجر کے قدموں پر گرتے انسو انہوں نے زنجیر کر دیا تھا۔ وہ کیا تھا آخر؟۔ اس سے کسی کی سوچ کی پرواہ نہیں تھی۔ کتنی ہی دیر خاموشی کا راج تھا۔

میں جانتا ہوں وجل کہ میں آپ کے قابل نہیں ہوں اس کی آواز کسی کھائی سے آئی تھی میں آپ کو خوش رکھنے کا دعویٰ بھی نہیں کرتا مگر اجر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں آپ کو مطمئن رکھوں گا اس نے انسو سے بھیگا چہرہ اوپر اٹھایا۔ ایک لمحہ تھا وہ بس جب ان کی نگاہیں آپس میں مس ہوئیں اجل کو لگا کہ جیسے کسی نے اس کو تپتے صحرا میں دہکتے کوئلوں پر لا کر کھڑا کر دیا ہے اسے یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی اسکا گلا دبا رہا ہو اس کا سانس بند ہو رہا تھا۔

وہ ایک دم سے اٹھا اور اجر کے پیچھے کھڑے سجاد حسین کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ وہ ابھی تک یک ٹک بے یقینی سے اسے تک رہی تھی۔ بھیگا چہرہ اوپر کی ہے امید کے دی آنکھوں میں سجائے سجاد حسین کو دیکھ رہا تھا۔

اچر نے ڈرتے ڈرتے جھکی پلکیں اٹھا کر سجاد صاحب کا چہرہ دیکھا مگر کاش وہ یہ چہرہ دیکھنے کی جرات نہ کرتی وہ آنکھوں میں نفرت کے الا و جلائے اجر کی طرف دیکھ رہے تھے ان کا چہرہ چٹان کے ماند سخت تھا۔

انکل اگر آپ کو اجر کے مستقبل کی ٹینشن ہے تو میں ابھی اپنی چھ کنال کی کوٹھی اجر کے نام کرتا ہوں اور اسٹام پیپر پر لکھ بھی دیتا ہوں کہ میں اپنی زندگی میں جتنی بھی کمائی کروں گا اس پر صرف اور صرف اجر کا حق ہوگا۔

میرے ماں باپ میرے نام کافی جائیداد چھوڑ کر گئے ہیں وہ بھی میں اجر کے نام کر دیتا ہوں مجھے کوئی جہیز نہیں چاہیے مجھے صرف اجر چاہیے صرف اجر۔ سجاد صاحب نے گھر اس لیا بیٹا ہم راضی ہیں مگر اگر یہ بدبخت نکاح کے وقت انکار کرتے تو ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ وہ اب کھڑا ہو چکا تھا اور آنکھوں میں امید کا سرمایہ علی کی وہ اجر کی جانب بڑھا اس نے کچھ بولنے کے لیے لب کشا کیے ہی تھے کہ وہ بول پڑی۔

بس سرور اب میری زندگی کتاب کی محبت کے صفحے پر آپ کے لکھنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے وہ سب پہلے ہی کوئی اپنی محبت سے بھر چکا ہے۔ میں بھی ایک انسان ہوں کوئی مٹی کی گڑیا نہیں جسے آپ جب چاہیں جس بات کی نمی سے گیلا کر کے اس کی ساخت تبدیل کرتے ہیں۔ اس کا چہرہ غصے سے لال ہو رہا تھا اس کی آواز لڑکھڑا رہی تھی آنکھوں سے آنسو بہنا شروع ہو گئے تھے۔

پلیز ضرار میرا پیچھے چھوڑ دیں اس نے اس کے غصے سے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ وہ اس سے اپنی جان چھڑوا رہی تھی جو تہجد میں رو رو کر اپنی جان اس کا نام کرتا تھا۔

وہ رو رہی تھی اس کی وجہ سے یا پھر اس کے لیے یہ بات وہ بھی نہیں جانتی تھی۔ زرار کو لگ رہا تھا جیسے کمرے میں موجود ہر چیز اس کی محبت پر لعنت بھیج رہی ہو یہ ہوائیں یہ کھڑکی سے چھن کر آتی روشنی یہ سانسیں یہ دھڑکنوں کی آوازیں یہ عکس ہر چیز اسے منہ چڑھا رہی تھی۔

اگر آپ پلینز مت روئیں یہ ذرا شاہ اور جب سے وعدہ کرتے ہیں کیا آپ کو بھی دوبارہ نظر نہیں آئے گا اپنے سینے پہ انگلی رکھ کے کہتا ہوں کمرے سے نکل چکا تھا۔

کبھی ملیں گے جو راستے تو منہ پھیر کے پلک پڑیں گے
کہیں سنیں گے جو نام تو چپ رہیں گے نظر جھکا کے

کسی حماقت کے خوف کے تحت وہ اس کے پیچھے گئی ضرار آپ کوئی فضول حرکت نہ کیجئے گا اس نے پیچھے سے صدا لگائی۔ وہ مڑا اور اس سے دو قدم کے فاصلے پر کھڑا ہو گیا۔

اجر میں خود کو چوٹ کیسے پہنچا سکتا ہوں میری آنکھوں میں آپ کا عکس ہے کانوں میں آپ کی آواز ہے رگوں میں آپ کی محبت ہے خود کو قتل کرنے کا مطلب ہے آپ کی محبت کو قتل کرنا۔
اس کی آنکھوں میں کچھ تھا اجر نگاہیں پھیرنے پہ مجبور ہو گئی۔

ہمیں جو بھی دشمن جاں ملا

وہی پختہ کار جفا ملا

کہہ کر وہ آندھی طوفان کی طرح وہاں سے نکل گیا مگر اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

وہ جس نے جینا ہی اس سے سیکھا تھا اس نے گڑ گڑا کر اس سے اس کو مانگا تھا مگر اس نے انکار کر دیا تھا لیکن انکار کے باوجود وہ جاتے جاتے اس سے اس سے چرا کر لے گیا۔

یہ کون آنسوؤں کی سزا دے گیا مجھے

جینے کی جاتے جاتے دعا دے گیا مجھے

وہ اس وقت چھت پر بیٹھی تھی ہر سو ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی مگر اس سے تو وہ صحرا کے تپتی لو سے کم نہیں لگ رہی تھی۔

بعض دفعہ انسان ایک پتے کی خاطر پورے درخت کو اگ لگا دیتا ہے وہ ایک خوشی کی خاطر پوری زندگی کو دکوں سے بھر لیتا ہے بغیر یہ سوچے کہ طبقے سے حرام میں ریت کے چمک محض پانی کا سراب ہوتی ہے جس پر اس کی خاطر سر پر توڑنے سے تشنگی مزید بڑھتی ہے۔

وہ پوری رات جاگتی رہی۔ ضرار کے ساتھ کی گئی ہر بات ہر منزل اس کی آنکھوں کے سامنے فلم کی طرح چل رہا تھا۔ ایک چیز تھی جو اس کی نظروں میں ابھی بھی اٹکی ہوئی تھی ضرار کی نم آنکھیں۔ اس سے ابھی بھی اپنے قدم چلتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے جہاں پر ضرار کی آنکھوں سے نکلنے والا گرم سیال گرا تھا۔ وہ ایک دم سے اٹھی اور فروری کی ٹھٹھرتی سردی کی پروا کیے بغیر وہ ایک ٹھنڈے پانی میں کھڑی ہو گئی مگر تپش تھی کہ جانے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔

وہ بالکنی میں کھڑی ہو گئی ایک دھندلا منظر تھا جو دھند میں اس کے سامنے لہرایا تھا۔ بس کر دو اجر رونا۔ امیرہ انہوں نے میرے پاس کچھ نہیں چھوڑا وہ امیرہ کے ساتھ بیٹھی خلا میں گھورتی بول رہی تھی۔

تمہیں پتہ ہے اجر جو کسی کو رلاتا ہے وہ کبھی خوش نہیں رہتا ایک مانوس سرگوشی اس کے کانوں میں ہوئی تھی۔ ہمیں ہر کسی کی ایک ایک آنسو کا بدلہ دینا پڑتا ہے۔
اس نے سختی سے آنکھیں میچ لی۔ کیا وہ خوش رہ پائے گی؟ کیا وہ رہ پائے گی؟۔ اب اس سے کیا چھنے گا اس کے آنسوؤں کا بدلہ کس طرح اس سے لیا جائے گا۔

اجر تم سے کوئی ملنے آیا ہے ابھی وہ فریش ہو کر بیٹھی ہی تھی کہ نور بیگم نے اسے کسی کی آمد کا بتایا۔ وہ اٹھ کے گیلے بالوں میں برش کرنے لگی سنہری رکاوٹ زیادہ جھیل اب سلیقے سے بہہ رہی تھی۔ کیسے ہو تم؟۔ اس کے ہاتھ بے حرکت ہو گئے تھے اس نے دروازہ بند ہونے کی آواز سنی تھی مگر اس گمان سے کہ شاید نور بیگم واپس گئی ہیں اس نے مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔

مگر یہ آواز اس آواز کو سننے کے لیے تو اس کے کان ترس گئے تھے۔ ناراض ہو کیا مجھ سے؟۔
اس کی آنکھوں میں پانی بھرنے لگا تھا جسے اس نے سانس لے کر اندر اندر اندھا تھوڑا بہت غصہ تو بنتا تھا کہ اس نے اس کی زندگی میں اتنا بڑا خلا جو پیدا کر دیا تھا۔

اجر! وہ ایک لخت پیچھے مڑی۔ زنک اور سیاہ رنگ کی پین شٹ پہنے واک کٹ کو کیچپ میں قید کی انکھوں میں سیاہ فریم کی گلاسز لگائے وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اس کی امیرہ اس کی شہزادی۔ وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

ابھی بھی ویسے ہی تھی چمکدار پوری انکھوں اور معصوم چہرے والی فرق صرف اتنا تھا کہ اس کے چہرے پر سنجیدگی کی شکنیں ابھری ہوئی تھی۔ مجھے معاف کر دو اجر اس کی انکھوں میں موجود نمی اس سے مخفی نہیں تھی اجر کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ منہ پھیر لے اس کو وہاں سے نکال دے مگر وہ ایسا نہ کر سکی۔

امیرہ جو اس کی خاموشی سے اب سچ ہو گئی تھی اس کے گلے لگ گئی۔ میں مجبور تھی اجر۔ کچھ تو بولو اجر ابھی تک وہ کسی ٹرانس کی کیفیت میں تھی کہ اس نے اس کا کندھا ہلایا۔ تم نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا امیرہ۔ تو مجھے تنہا چھوڑ گئی یہ جانتے ہوئے بھی کہ مجھے سننے والے صرف تم تھی۔ وہ چپ چاپ اس کے شکوے سنتی رہی۔ امیر میں نے یہ دو سال گونگے بن کے گزارے ہیں۔ لیکن اجر تمہارے پاس ابراہیم تھا اس نے یاد دہانی کرانی چاہیے۔

میرہ وہ میرا آئینہ ہے اور تم میرا عکس ہو اور عکس کبھی جسم سے علیحدہ نہیں ہوتا۔

اس نے اس کے چہرے کو ہاتھوں میں بھرتے ہوئے کہا اور اب وہ اس سے پچھلے دو سال میں خود پر گزرے ہر واقع سے اگاہ کر رہی تھی۔

لیکن کیا کہہ رہی ہو اجر تم ایسا کیسے کر سکتے ہو کسی کے ساتھ ضرار کے بارے میں سننے کے بعد میرا بے چین ہو گئی تھی۔ اس سے کم از کم اجر سے تو اس حماقت کی امید نہیں تھی۔

اچھا تم نے غلط کیا وہ بھی ابراہیم کے لیے وہ خوف زدہ لہجے میں زیر لب بولی سن تو نہ پائی مگر امیرہ کا چہرہ دیکھ کر اس نے کچھ اخذ ضرور کر لیا تھا۔ تھوڑی دیر مزید بیٹھنے کے بعد وہ وہاں سے چلی گئی۔

دنیا میں سب سے زیادہ سفاک اور بے وقوف تخلیق انسان ہے حالانکہ یہ اشرف المخلوقات ہے۔ اپنے لالچ اور بے وقوفی میں بعض دفعہ پتھروں کو جمع کرتے کرتے ہیروں کو ٹھکرا دیتا ہے۔ اپنی انا اور میں میں اکر خود کو اپنے ہاتھوں سے بندر کر دیتا ہے خواہشات کی حسین پہاڑی پر بے خود ہو کر چڑھتا ہے بغیر یہ سوچے کہ وہ اس سے اترے گا کیسے اور پھر جب اترنے کا وقت آتا ہے تو نہ پاؤں کے نیچے زمین ہوتی ہے نہ سر کے اوپر آسمان ہوتا ہے تو صرف خلا گہرا خلا۔

اجر میری بات غور سے سنو ابھی میرا وہ تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ غازی اور اس کے کمرے میں آیا وہ دروازہ بند کر دیا۔ اس کے بے ساختہ حرکت پہ اجر کافی حیران ہوئی۔ وہ اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ کیا ہوا غازی ان اس کے چہرے پر لہراتے پریشانی کے سائے کو دیکھ کر وہ بولی۔ مگر دوسری طرف گہری خاموشی تھی جو اجر کو یوں چیر رہی تھی جیسے الٹی دھار والی چھری ہو۔

وہ اجر سے نظر نہیں ملا رہا تھا۔ اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ اس نے موبائل میں سے کچھ نکال کر اجر کے سامنے کیا اسے دیکھ کر وہ دم بسد ہو گئی۔ اجر ابراہیم کی نسبت طے ہو گئی ہے۔ وہ ایک دم پتھر ہو گئی تھی ہر چیز رک گئی تھی آنکھوں کے سامنے کچل رہا تھا تو وہ ویڈیو اس میں گہرے نیلے رنگ کا ڈنر سوٹ پہنے نوجوان اپنے ساتھ بیٹھی فیروزی میکسیم تیار ہوئی لڑکی کو انگوٹھی پہنا رہا تھا جو شرم کی وجہ سے نگاہیں جھکائے بیٹھی تھی مگر ہونٹوں پر ایک دلکش مسکراہٹ تھی۔

اس سے اپنے کندھے پر کچھ بھاری سا احساس ہوا غازیان اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے اس سے پانی کا گلاس تھما رہا تھا۔

اس نے دو دن میں زندگی کے سارے پہلو دیکھ لیے تھے کل گناہ رات ملال صبح فراموشی اور خوشی اور اب عذاب اس کی زندگی کا حصہ بن گیا تھا جس کی سزا اب ساری عمر اسے کاٹنی تھی۔

آپ بہت خوبصورت ہیں اجر، اس کے کان میں سرگوشی ہوئی تھی۔ آپ نے مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا۔ اس نے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے مگر اوازیں انا بند نہیں ہو رہی تھی۔ مجھے لگا عبید کے انگن میں اسمانی حور اترائی ہے یہی تو وہ بکرا تھا جس نے اپنے تیز تار سے اس کے ضمیر کے ٹکڑے کر دیے تھے۔ ان اوازوں کے بیچ قہقہوں کی اوازیں بھی سنائی دے رہی تھی تقدیر اور ضمیر کے قہقے۔

اس کا دھواں دھواں چہرہ دیکھ کر کول اور نور بھی پریشان ہوگی غازیان انہیں پہلے ہی خبر کر چکا تھا اجل کی حساسیت کے بارے میں جانتے ہوئے انہوں نے غازیان کو باور کر کے بھیجا تھا۔

اس کی آنکھیں خشک تھی اس نے کئی لڑکیوں کو دیکھا تھا جو بریک اپ ہونے کے بعد تکریم میں منہ دے کر روتی تھی اس کا دل بچا رہا تھا کہ وہ چیخیں چلائے روئے ہر چیز تھس تھس نہس کر دے مگر وہ ایسا نہ کر سکی کیونکہ پہلی دفعہ کا دھوکا دھوکہ نہیں لگتا اس کے سوا ہر چیز لگتا ہے۔

اس نے فون ملانا شروع کر دیا دوسری بیل پر فون اٹھایا گیا۔ ہاں بولو کیا ہے؟

اس کی آواز سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ وہ کافی عجلت میں ہے۔ متواتر خاموشی کے بعد اس نے فون کو کان سے ہٹا کر دیکھا تو وہ چل رہا تھا۔ اجر! اس نے اسے پکارا۔ تمہاری نسبت طے ہو گئی ہے جواب میں اس نے خواب زدہ آواز میں پوچھا۔

یہ پوچھنے کے لیے فون کیا ہے تم نے۔ کیا اطمینان تھا اس کے لہجے میں۔ تم میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہو ابراہیم؟ تمہیں تو مجھ سے محبت تھی وہ روہانسی ہو گئی تھی۔ خدا کے لیے بس کر دو اجر کیا یہ ہر وقت محبت، محبت کا کلمہ پڑھتی رہتی ہو اور تم جیسی لڑکی سے کسی کو محبت نہیں ہو سکتی۔ کتنا تحقیر آمیز لہجہ تھا اس کا۔ تم جیسی صرف دل لگانے کے لیے ہوتی ہے گھر بسانے کے لیے نہیں۔ اس کے الفاظ نوکیلی سویوں کی طرح اس کے دل میں چبھ رہے تھے۔

پتہ نہیں کتنا سا تعلق ہے تمہارا اسندہ کے بعد مجھے کولیاں میسج کی تو یہ جو تم اپنی پارٹ سے کہ چادر پیٹے پھرتی ہو اس کو تار پھینکنے میں ایک سیکنڈ کی دیر نہیں لگاؤں گا۔ اس نے کچ سکون بند کر دیا مگر اجر میں فون کان سے ہٹانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

وہ اس کے کمرے میں داخل ہوئی ہر طرف گہرا اندھیرا تھا اس نے اگے بڑھ کر لائٹ آن کی وہ جو کارپیٹ پہ بیٹھی چھت کو گھور رہی تھی اچانک لائٹ آن ہونے پر اس کی آنکھیں چندھیا گئی۔

اس نے وحشت زدہ آنکھوں سے سامنے کھڑے وجود کو دیکھا اور بے اختیار اس سے لپٹ گئی۔ وہ صبح والی پین شپ میں ہی ملبوس تھی بس کندھوں پر سال کا اضافہ ہو گیا تھا۔ کمر بیگم کا فون آنے پر وہ فوراً اجر کے پاس آگئی تھی۔ اس کے بال ایسے بکھرے ہوئے تھے کہ جیسے سردیوں سے کبھی سلجھے ہی نہ تھے آنکھیں اس قیامت کا نظارہ پیش کر رہی تھیں جو اس پر گزری تھی۔

میں اس سے لپٹ کے کسی چھوٹے بچے کی طرح رو رہی تھی۔

میری زندگی کتاب کے اندھیرے صفوں پر خوشیوں کے رنگ ابراہیم نے بکھرے تھے میں اسے نہیں چھوڑ سکتی ہوں وہ میرا ائینہ ہے۔ ہے نا۔ اس نے امیرہ کا بازو جھنجھوڑتے ہوئے پوچھا۔

چھوڑا جاتا بھی نہیں ہے اجر بعض دفعہ انسان کسی کو چھوڑتے چھوڑتے خود کو چھوڑاتا ہے تنہائیوں کی اندھیری کھائی میں جہاں سے وہ کسی سہارے کی مدد سے بھی نکل نہیں پاتا اور اگر خوش قسمتی سے وہ نکل بھی آئے تو وہ اندھیرا ساری عمر اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ لیکن اجر جو خود ہی راستہ تبدیل کر لیں تو پھر انہیں خدا حافظ کہنا ہی بہتر ہوتا ہے۔ کہہ کر وہ اس کو دلاسہ دینے لگی۔

تم نے اپنے نادانی میں سب کچھ کھو دیا اجر وہ بس سوچ کر ہی رہ گئی

داد بہت ہو رہی ہے تو اب میں چلتی ہوں وہ جانے کے لیے اٹھی تھی کہ اس نے اس کا ہاتھ اپنے کپکپاتے ہاتھ میں تھما رک جاؤ کیا التجا تھی۔ اجر رکنے کا حق میرے پاس نہیں ہے اور کیا بے بسی تھی میں صبح ہی تمہارے پاس آ جاؤں گی۔

تمہاری خواہش پوری تو ہو گئی مگر اس کی اوٹ میں تمہاری زندگی تباہ ہو گئی تمہیں بادل بنا کر کسی کی زندگی رحمت اور خوشیاں برسانے کے لیے بھیجا تھا مگر تم نے اس کی زندگی میں بجلیاں کڑکائی ضرار کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خوشیوں سے دور کر دیا اس کے صبر کا جواب تو دینا پڑے گا تمہیں وہ گاڑی میں بیٹھ کے بس سوچ رہی تھی۔

سورج تو طلوع ہو چکا تھا مگر اس کی زندگی ابھی ابھی اندھیر تھی۔ ابھی بھی رات بھر پوزیشن میں ہی بیٹھی تھی۔ اچھا اب تو جو ہونا تھا ہو گیا اب سب بنانے کا کوئی فائدہ نہیں اس نے اسے اکر اٹھایا مگر ساری رات ایک طرح سے بیٹھنے پر اس کا وجود اکڑ چکا تھا۔

امیرہ نے اسے کسی طرح اٹھا کر بیڈ پر بٹھایا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اس نے تمہیں تباہ کر دیا ہے اجر۔ تو اس کی طرف ویرانی سے دیکھتے ہوئے بولی۔

ایک دم سے اجر کی آنکھیں خشک ہو گئی یوں لگتا تھا کہ اس بہتی جھیل سی آنکھیں دکھوں کی تیز دھوپ سے کب کی سوکھ چکی ہیں نہیں امیرا اس نے مجھے تباہ نہیں کیا میں نے خود کو خود تباہ کیا ہے۔ وہ اینے کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔

اس نے میرے ساتھ کچھ نہیں کیا بلکہ میں نے خود کو صحرا کے تپتی ریت میں خود زندہ دفن کر دیا ہے اور اب اس بات سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑنا چاہیے کہ مجھ پر کتنی ریت مزید پڑتی ہے لیکن میں یہ ضرور چاہتی ہوں کہ اب کوئی ایسا نہ ائے میری زندگی میں جو اس ریت کو مجھ پر سے ہٹا کر میرے وجود کو باہر نکالیں وہ مسلسل اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے بول رہی تھی۔ یہ کسی ڈراونے خواب سے بھی زیادہ ڈروانہ تھا۔

اپنی آنکھوں نے عجب موت کا منظر دیکھا
جب فقط تیرے سوا سب نے پکارا ہم کو
اینہ دیکھ کے بے ساختہ یہ دل چیخا
شکریہ ہجر تیرا خوب نکھارا ہم کو

کس طرح کی باتیں کر رہی ہو تم اس نے اس کا رخ اپنی جان موڑا۔ مجھے ڈر لگتا ہے میرا کہ جس دن میں اس سیٹ سے باہر نکلی میں عبرت کا مجسمہ بن جاؤں گی۔ وہ پھر سے اینے کی طرف پلٹ چکی تھی مگر اس بار اس کو اینے میں کچھ نظر نہیں آ رہا تھا ہر چیز پہلے دھندلی اور پھر غائب ہو چکی تھی زندگی، تعلق، رشتے، اعتبار، محبت، اجالے، بہاریں سب بس بچنے والی چیز ایک ہی تھی سلگتی ریت کی تپش اس کے آنسو تیزی سے بہنا شروع ہو گئے تھے۔
اجر تم نے ضرار بھائی کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔

وہ ایک دم چٹکی یہی تو نام تھا جس نے اپنی خوشیوں کو اس کی خوشیوں پہ قربان کیا تھا۔ سلیم کے کندھے پر آ بیٹھا۔

اس نے نہ سمجھی سے امیرہ کی طرف دیکھا میں نے اس کے ساتھ کچھ غلط نہیں کیا وہ ایک دم سے چلائی تھی پھر چند توقف کی خاموشی کے بعد وہ بولی ضرار مجھے بد دعا نہیں دے سکتا۔ امیرہ کو اس پر رحم ا رہا تھا۔

اجر اس نے تمہیں بد دعا نہیں دی۔ مگر نم آنکھوں اور ٹوٹے دل کی آہ اور اس کو بھی ہلا دیتی ہے کبھی امیرہ نے اپنی بات مکمل ہی کی تھی کہ وہ دیوانہ وار بیڈ کو ٹٹولنے لگی۔

مطلوبہ چیز ملنے پر اس نے ضرار کا نمبر ڈائل کیا مگر انے والے جواب نے اس کے اندر چلتے الاؤ کو مزید ہوا دے دی۔ اس نے ایک دم موبائل بٹ پر پٹھا۔

مجھے ضرار سے ملنا ہے اس نے التجا آمیز لہجے میں امیرہ سے کہا۔ تمہاری حالت ابھی ٹھیک نہیں ہے اور تم اس سے مل کے کیا کرو گی۔

جس طرح اس نے میرے قدموں میں گر کر مجھ سے میری ذات مانگی تھی میں اسی طرح اس کے قدموں میں گر کر اپنا سکون مانگوں گی۔

میرا مجھے ذرا اپ سے ملنا ہے پلیز مجھے اس کے پاس لے چلو وہ اب اس کے سامنے گڑ گڑا رہی تھی۔

سفید اور سرمئی کی امتیاز کا یہ شاہ پیلس اپنے پورے جلال سے کھڑا اپ نے مکینوں کے ذوق کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ مگر یوں لگتا تھا کہ وہ پہلے اداسی کی ایک چادر زیب تن کیے ہوئے ہے گردنوا سے بے خبر پہلے اس کے لیے اچھے اندر داخل ہو تو ارد گرد زمین پر سبزے کو چادر پچی ہوئی تھی جس پہ چاندی محو سکوں تھی۔

وہ دونوں سے دس منٹ سے وقتاً فوقتاً میں ڈور پر لگی بیل کو بچا رہی تھیں۔ کس سے ملنا ہے اپ کو۔ اپنی راہ تو تھک کے بیٹھ چکی تھی مگر وہ ابھی تک ہنوز کھڑی تھی کہ چوکیدار کی آواز آئی۔ پریسہ نوفل سے ہم اس کی فرینڈز ہیں اجر کے کچھ بولنے سے پہلے وہ بول پڑی۔ جی بی بی جی تو پرسوں رات تھی گھر والوں کے ساتھ یہاں سے چلی گئی تھی۔ ایک دم اس کے سر پر پہاڑ گرا تھا وہ ایک دم دیوانہ وار اس کی جانب کی کہاں چلی گئی اور ضرار کہاں ہے۔

چوکیدار جون کو دیکھ کر ہی پریشان ہو گیا تھا اس کے اس طرح پوچھنے پر سٹپٹا گیا۔

شاہ جی کے لیے تو سب یہاں سے گئے ہیں۔ کیا مطلب ان کے لیے گئے ہیں اور کہاں گئے ہیں وہ حلق کے بل چلائی تھی اگر تم نے مجھے نہ بتایا تو مزارار سے کہ تمہارا حشر کروا دوں گی۔ وہ یہ بغیر سوچے بول رہی تھی کہ نظر ار سے اس کا رابطہ ہوتا تو پھر وہ یہاں جگ مارنے اتی مگر شاید خوف میں چوکیدار نے بھی اس کی بات کی طرف دھیان نہیں دیا۔

بی بی جی مجھے نہیں پتہ کہ وہ کہاں گئے ہیں بس پرسوں رات بڑے صاحب جلدی میں گھر آئے اور بی بی صاحب اور چھوٹی بی بی کو لے گئے میرے پوچھنے پر صرف یہ بتایا کہ شاہ جی کی طبیعت کافی خراب ہے اور اب وہ لوگ ان کو لے کر ان کے پاس جا رہے ہیں۔ اسے لگ رہا تھا کہ جیسے تقدیر اس کے سر پر ہتھوڑے مار رہی ہے وہ زمین بوس ہو جاتی اگر میرا اسے پکڑ کر نہ سنبھالتی۔

وہ کتنی دیر تک ضرار کا نمبر ڈائل کرتی رہی مگر جواب ایک ہی تھا اس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ انسو جو ابراہیم کی جدائی میں بہا رہے تھے وہ ابراہیم ان کے نہیں بلکہ ضرار کے غم کے تھے اس کے اندر ایک الاؤ دہک رہا تھا جس کی تپش سے اس کا پورا جسم پھنک رہا تھا

معرفتوں کے سفر میں انسان بھی عقل ہو جاتا ہے پھر ہر چمکتی چیز صحرا میں پانی کی طرح لگتی ہے بھلے وہ تپتی رہتی کیوں نہ ہو۔ وہ بھی معرفتوں کے سفر پر ہی چلے تھے ایک آغاز حق تھا تو دوسرے کا باطل۔ ایک جھلکی اس معرفت نے سلطان سردار حنیف شاہ کی زندگی کی کتاب کے پنوں کو الٹ پلٹ کر رکھ دیا تھا۔ اس کا الاؤ اس کے اندر دہک رہا تھا تو وہیں پیدا ہونے والے چنگاری حق کی تھی اور ایمان کی تھی۔ ابھی تو معرفتوں کا پہلا موڑ ہی آیا تھا کہ وہ سب سے بیگانہ ہو گیا۔ کون کہتا ہے انسان نصیب نہیں بدل سکتا اگر قبروں میں موجود تجربہ گاہیں زندہ ہو جائیں تو پھر وہ بتائیں کہ قسمت کو دھتکارنا اور پھر قسمت سے دھتکارا جانا کسے کہتے ہیں۔ قسمت کو دھتکارنا تو کوئی اجر بتول سے سیکھے جس

نے ایک جگنو کی خاطر پورے چراغ کو بجھا دیا مگر اب قسمت نے بھی تو نعم البدل کرنا تھا وہ جملوں تو بھک سے اڑ گیا تھا اب تو صرف سیاہی سیاہی تھی روح کو خیرہ کرنے والی سیاہی ایسی سیاہی جس میں انکھیں چندھیا جائیں۔

فجر کی نماز کے بعد دعا کے لیے اٹھے ہاتھوں کو وہ مبہم ہو کر دیکھ رہی تھی۔ جانے کیا تلاش کرنے کی کوشش کر رہی ہو کمرے کی کھڑکی کھلی تھی جہاں سے خنک ہوا اندر آ کر نیم تاریخ ماحول کو پر سکون بنا رہی تھی مگر یہاں تو تاریکی ہی تھی سکون کہاں تھا۔ تھوڑی دیر بعد ساتھ والے گھر سے قرآن کی آوازیں انا شروع ہو گئیں۔ نورہ اماں ترجمے کے ساتھ قرآن پڑھ رہی تھی اس کا دھیان بھی خود بخود وہاں چلا گیا وہ اب ایت کا ترجمہ کر رہی تھی۔

بھلا دیکھو تو وہ جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا ٹھہرا لیا اور اللہ نے اسے باوجود علم کے گمراہ کیا۔ اسے لگ رہا تھا کہ جیسے اسے نوکیلے کیلوں پر لا کر کھڑا کر دیا ہو اور اس پر پتھر اور کیلوں کی بارش ہو رہی ہو۔

اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی اور اس کی انکھوں پر پردہ ڈال دیا اور اللہ کے بعد اسے کون راہ دکھائے تو کیا تم دھیان نہیں کرتے۔

کتنی اسانی سے اس کے سامنے اینہ ایا تھا مگر وہ ابھی بھی اسی نظر سے چرا رہی تھی اس نے اٹھ کر کھڑکی بند کر دی مگر ایک آواز کھڑکی سے نہیں اس کے اندر سے آرہی تھی۔ دیکھ لو جی صاحبہ اپنی

کرتوتوں کا نتیجہ اللہ سے بغاوت کرنے چلی تھی اوازیں اور کہہ کہے انا بند نہیں ہو رہے تھے۔ شٹ اپ جسٹ شٹ اپ۔ وہ اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ کے چلائی مگر آوازیں بند تو تب ہوتی جب وہ کانوں سے آ رہی ہوتیں۔

آہ تباہ کر دیتی ہے اور ابھی تو تباہی شروع ہوئی تھی۔ ابھی تک ضرار کا نمبر ٹریک کر رہے تھے کہ اچانک ہی اس کا نو نمبر سے میسج آیا۔ "اوپن دی بیل"۔ اس کے پورے جسم ہے رانی کی اکثر دل ہے دوڑ گئی اوپن دا بیل اس نے زیر لب کہا مجھے کچھ سمجھ نہ آنے پر اس نے نمبر ڈیلیٹ کر کے فون بند کر دیا۔ ایک ہفتے سے لگاتار اس سے وہ میسج آرہا تھا جس میں کسی بیل کو کھولنے کا اشارہ تھا۔

امیرا بھی اپنے مشاہدے کے سلسلے میں دوسرے شہر گئی ہوئی تھی اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے اس سے بات کر کے وہ کوئی مزید حماقت نہیں کرنا چاہتی تھی۔

ابھی سوچو گا پلندر کھلا ہوا تھا کہ بیلم اس کے کندھے پر آکر پھر پڑھانے لگا تو اس کی گلیوں میں لٹکی سنہری بیل بجنے لگی۔ اس کے ذہن میں میں ایک جھمکا ہوا تھا۔ اس نے بے ساختہ وہ اتاری۔ اس میں میری زندگی کی داستان ہے یہی الفاظ ذرا ار نے اسے بیلم کے بارے میں کہے تھے۔

اس کا جائزہ لینے کے بعد اسے دراڑ نظر آئی جسے اس نے وہ بیل کھول دی اس کے اندر ایک چٹ تھی سفید کا اس پر سیاہ روشنائی سے لکھے گئے حروف پڑھ کر وہ حیران ہو گئی۔

نیلے آسمان پر تھال کی مانند سچا سنہرا سورج ہر چیز کو چمکا رہا تھا وہ اس وقت جی سی یونیورسٹی کی لائبریری میں خستہ کتابوں کے ریک کے آگے کھڑی تھی اس نے تجھ سے وہ جٹ کھولی جس پر صرف یہ پتہ لکھا ہوا تھا۔

آخر کیا تھا اس ریک میں ان خستہ پرانے کتابوں میں ضرار کی داستان کیسے ہو سکتی ہے؟ وہ پلٹنے ہی والی تھی کہ اس کی نظر سے چمکدار چیز پر پڑی اس کے قدم وہی تھم گئے اس نے اس ڈائری نما کتاب کو باہر نکالا سرمئی رنگ کی اس ڈائری پر سیاہ رنگ سے یا اجر کنندہ تھا جس کے نیچے تھوڑے ہی فاصلے پر میری زندگی کا اجر لکھا ہوا تھا اس کے کونے یوں چمک رہے تھے اسے چاندی سے نہا کر ائے ہوئے ہوں تھوڑا غور کرنے پر اس نیچے کونے کے پاس گہرے سرمئی رنگ سے ذرا شاہ لکھا نظر آیا تو کسی تصدیق کی ضرورت ہی نہیں تھی اس نے وہ ڈائری بیک میں ڈالی۔

اس نے اتے ہیں کمرہ لاک کر دیا اور ڈائری نکال کر بیٹھ گئی اس نے اس کے جلد پر ہاتھ پھیرا ٹھنڈی اور ملائم جلد پر صرف وہی دو لفظ کھر دھرے رہے تھے یا اجر۔ اس نے اسے کھولا اور پڑھنا شروع کر دیا۔

میرے پاس دنیا کی ہر نعمت ہے مگر میں چاہ کر بھی مسکرا نہیں پاتا ہرنائی کے باوجود میں تاریکی میں تھا کوئی رشتہ نہ بچ سکا پیدا ہوتے ساتھ ہی ماں سب چھوڑ کر چلی گئی۔ بابا جان اپنی محبت کو جدا ہوتے ہوئے دیکھ نہ سکے اور ان کی آنکھیں بھی بند ہو گئیں چچی نے سگی اولاد سے بڑھ کر پالا مگر ماں کی

اغوش اور باپ کے ہاتھ کا نعم البدل نہ ہو سکا میرا دل پتھر بن گیا اور میں اسی پتھر کا مجسمہ۔ میں الجھن اور تلخیوں کے سمندر میں ڈوب ہی جاتا مگر شاید ابھی ڈوبنے کا نہیں پار اترنے کا وقت تھا مجھے سمندر کی لہروں سے وہ ملی جن کی رعنائی نے مجھے ساحل پہ ہی روکے رکھا میں دور سے ان کی سی آنکھوں کو ایسے دیکھا کرتا تھا جیسے وہ سمندر میں گری ہوئی سی پی ہوں جس میں موجود موتی ہو جس کی چمک سے تو ہم واقف ہیں مگر اسے پانا ہمارے بس میں نہیں۔

میں نے پہلی مرتبہ انہیں 14 اپریل کو خواب میں دیکھا وہ ابابہ بھی ملبوس تھی بھیڑیے ان کو نوچ رہے تھے۔

سال 2018 یہ وہ سال تھا کہ جس نے میری نیندیں اڑ گئی اس خواب کے بعد میں کئی دن تک سو نہ سکا ان کی سسکیاں میرے کانوں میں گونجتی تھی آنکھیں بند کرنے پر وہ نظارہ میری آنکھوں کے سامنے آ کے میرے سینے میں خنجر ڈالتا تھا ایک عجیب سی بے قراری مجھ پہچاننے لگی دو سال میں نے اسی بے قراری میں گزارے میں ان کو دیکھ کے بغیر ان سے منسوب ہو گیا وہ میری سوچوں کا مرکز بن گئی اور چاہ کر بھی میں انہیں بھلا نہ پایا۔

تم کیا جانو مرکز بنا کر پھر بھلانے کا درد

ہم ان کو دل میں رکھ کر دل سے بھلا رہے ہیں

دو سال میں ایک بے نام تعلق میں تڑپتا رہا پھر دو سال بعد 17 فروری 2020 کو میں نے خواب میں صرف ان کی آنکھیں دیکھی بڑی بڑی سیاہ اداس آنکھیں کیا گویا وہ تو سیاہ ہیرے تھے نایاب ہیرے جن کی چمک سے میری آنکھیں چندھیا چندھیا گئیں۔

جن پر اٹھی ہیں وہ آنکھیں ان سے جا کر پوچھو

ڈوبنا کیا ہوتا ہے پار اترنا کیا ہوتا ہے

دل میں صرف ان کو ایک نظر دیکھنے کی خواہش نہ جانے کب پیدا ہو گئی مجھے خبر ہی نہیں ہوئی اور میں بے بس ہوتا گیا ان کی سسکیاں میری جان لیتی رہیں پھر شاید قسمت مجھ پہ مہربان ہوگی میں نے 15 مئی 2020 کو پہلی بار ان کا چہرہ دیکھا۔

اور پھر میں خود کو دیکھنا بھول گیا۔

وہ حسن کی خود ایک دنیا ہے شاید انہیں معلوم نہیں

محفل میں ان کے آنے سے ہر چیز پہ نور آ جاتا ہے

Welcome in to prime urdu novels & publications.

پرائم اردو ناولز میں خوش آمدید۔

پرائم اردو ناولز میں بحیثیت لکھاری شمولیت اختیار کریں اور اپنی تحریروں، ناولز، افسانوں کا پی ڈی ایف لنک حاصل کریں۔ اور دنیا بھر میں ہماری ویب سائٹ کے لاکھوں قارئین تک اپنی تحریر ایک کلک میں پہنچائیں۔

اگر آپ اپنی تحریروں کو کتابی شکل میں محفوظ کرنا چاہتے ہیں تو ہم آپ کو خصوصی ڈسکاؤنٹ پر آپ کی مرضی کی تعداد میں کتابیں بنا کر دیں گے۔

ہمارے گروپ میں اپنی تحریر اپنے پیج لنک کے ساتھ پوسٹ کریں اور اپنے پیج کی پرموشن کے لئے اس سنہرے موقع سے فائدہ اٹھائیں۔

اپنے پیج پر ہماری ویب سائٹ کا پی ڈی ایف لنک شیئر کرک اپنے ریڈرز کو پی ڈی ایف سے آف لائن ناولز پڑھنے کی سہولت فراہم کریں۔

اپنے ناولز کو ویب سائٹ کے ساتھ ساتھ دیگر سٹریمنگ پلیٹ فارمز جیسے یوٹیوب پر بھی پڑھنے کی سہولت فراہم کریں اپنے ریڈرز کو۔

اپنی تحریروں کے لئے دیدہ زیب اور دلکش ٹائٹل اور پرموشنل پوسٹ بنوانے کے لئے ہمارے گرافک ڈیزائنر کی خدمات مفت حاصل کریں۔

اگر آپ کو اپنی تحریروں کو لکھنے میں راہنمائی کی ضرورت ہو تو ہماری ٹیم میں موجود سینئر لکھاری آپ کو مکمل راہنمائی فراہم کریں گے۔

تو پھر دیر کس بات کی، ابھی ہمارے گروپ کو جوائن کریں اور اپنی تحریر پوسٹ کریں اور ہماری ٹیم کا حصہ بن جائیں۔ کیوں کہ ہم اپنے سب لکھاریوں کو ساتھ لے کر چلنا چاہتے ہیں۔ مزید معلومات کے لئے ہمیں میسنجر پر انبکس کریں یا واٹس ایپ پر رابطہ کریں۔

Whatsapp : 03335586927

Prime Urdu Novels Group Link

<https://www.facebook.com/groups/517883045059344/>

سیاہ چیل سے نایاب اور کہہ رہی انکھوں نے تو پہلے ہی مجھے زنجیر کر دیا تھا دودھیا رنگت پر وہ عنابی بھی ہونٹ بہار میں گلاب کا منظر پیش کر رہے تھے مغرور اور تیکھے نقوش نے مجھ پر سانس لینے کی

حد قائم کر دی۔ پھر ہواؤں میں بھی ہونا کوش بننے لگے مجھے پھر بھی نگاہ اٹھاتا ان کے نقوش ہی پاتا تھا۔

دھندلے منظر میں ان کے واضح نقوش اور واضح منظر میں ان کا دھندلا سراپا مجھے بے قرار کرتا تھا۔ ان کی مشکلیں اور تکلیفیں مجھے اندر ہی زخمی کر رہی تھی اپنی زندگی میں آج تک میں کبھی اتنا بے بس نہیں ہوا تھا جتنا اس رات ہوا تھا ساری رات آنکھوں میں کٹی انجانے میں ہی یہ دل عشق کر بیٹھا اور پھر آغاز سے جدائی کی باہوں سے ہوا اور پھر درد بڑھتا گیا۔

میرے شوق کی یہ لاج رکھ

وہ جو طور ہے بڑی دور ہے

میں 29 اگست کو فیصل آباد گیا تو وہاں بظاہر طور پر انہیں دیکھا وہ سڑک کے کنارے اس پار کھڑی تھی ان کے ریشمی گال بارش کے قطروں سے بھیگ رہے تھے یوں لگ رہا تھا کہ میری خوشی میں آسمان بھی خوش ہو رہا ہے۔

مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے میں نے دیکھنا ہی آج سیکھا ہو

مگر قسمت بڑے تڑپنے بھی خوش تھی اور وہ چلی گئی میری آنکھوں کے سامنے میرا دل بخر ہو گیا آنکھیں اندھی ہو گئیں اور میں بے جان ہو گیا۔ مگر شاید قسمت کو میرے ساتھ آنکھ مچولی کھیلنا پسند تھا وہ پھر سے 2 ستمبر کو میرے سامنے آگئی اب مجھے لگا میں نے انہیں پالیا وہ پری کی دوست تھی مہرون

میکسی زیب تن کیے ہوئے تھی لمبے سنہرے جھیل سے بالوں میں ہاتھ پھیرتی وہ دنیا و مافیا سے بے خبر میری روح کو کھینچ کر لے گئی۔ میرے دل نے مجھ سے سوال کیا کہ ضرار شاہ کیا تم نے اسمان سے ہور اترتی اور صحرا سے جل پری نکلتی ہوئی دیکھی ہے۔

ان کو دیکھ کر میرے سوال کی تردید ہوئی پری نے مجھے ان کا نمبر لا دیا جس دن میں نے ان سے پہلے مجھے بات کی مجھے لگا کانٹوں کا تخت پھولوں کی سچ میں بدل گیا 12 ستمبر یہ وہ دن تھا جس دن میں نے مسکرا کر سیکھا معلوم ہوا دنیا واقعی بہت حسین ہے اگر ہم دیکھنا چاہیں۔ ان دنوں میں زندگی مجھ پر حلال ہو گئی۔

میری ان سے پہلے ملاقات 10 اکتوبر کو کو عائشہ ڈگری کالج میں ہوئی ان کو دیکھ کر مجھے ایک سحر طاری ہو گیا ایسا سحر جیسے کوئی موکل اپنے مرشد کو دیکھ کے مسعود ہوتا ہے یوں لگ رہا تھا کہ کوئی دھیرے دھیرے میں قبض کر رہا ہے مگر یہ سحر زیادہ دیر تک طاری نہ ہو سکا اور انہوں نے رخ پھیر لیا۔ یہی دستور الفت ہے تو پھر شکایت کیسی

کہ جو محبوب ہوتا ہے ذرا مغرور ہوتا ہے

ان کو میں نے کالج سے گھر چھوڑا میری گاڑی میں بیٹھ کر انہوں نے اسے مہکا دیا اس نے میرے لیے مرکز حیات بنا دیا۔ یلم میں میری زندگی بستی تھی مگر میں نے اس سے پھر بھی ان کے حوالے کر کے اسے ان کی زندگی بنا دیا۔ وہ دن میری زندگی کے حسین دن تھے دو سال سے جو خواہش میرے

دل کے کسی کونے میں چھپی تھی وہ زبان عام پر اگئی پھر میں دن رات اللہ سے ان کا سات مانگتا تھا مگر شاید خوشیوں کو مجھ سے بیر تھا میرے پاس رہتے ہی نہیں ہے چچی ان کی گھر 13 فروری کو رشتہ لے گئی مگر انہوں نے انکار کر دیا اس دن مجھے اندازہ ہوا تھا کہ مجھے ان سے محبت نہیں عشق ہے اور عشق فنا کر دیتا ہے برف کے مجسمے کو برف سے ہی پگھلاتا ہے۔

پوری رات جب ساری دنیا خواب دیکھ رہی تھی میں اپنے خواب کے نہ ٹوٹنے کے لیے سجدوں میں گر کے منتیں مانگ رہا تھا۔

سوچا نہیں تھا کہ سب کچھ پا کر بھی

بن جاؤں گا کسی کی خاطر دست طلب

تیری مغرور اداؤں میں نہ جانے کیسا سحر تھا

ہو گئی میری ساری بے خودیاں ہی سلب

میں ان کے لیے تہجدوں میں رویا صرف ان کو پانے کی خواہش کی مگر شاید کوئی مجھ سے پہلے ان کو مانگ کر لے گیا یا پھر انہوں نے کسی اور کو مانگا تھا۔

اپنے خواب کو آنکھوں کے سامنے ٹوٹے دیکھنا شیشوں پر لوٹنے زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔ میں دن رات اللہ کا سائل بن گیا اپنی ساری خوشیاں اساتیشیں راحتیں دیکھ کر ان کو مانگتا رہا مگر میری دعائیں ہوا اور آسمان کے درمیان معلق ہو گئی نہ اوپر جا سکی نہ نیچے اسکی میں دن رات اللہ سے ان کا ساتھ مانگتا رہا

کبھی گمشدہ کبھی روبرو کبھی اِینہ کبھی عکس تو

تو 14 فروری کو میں ان کے قدموں میں بیٹھ کر ان سے ان کا ساتھ مانگ رہا تھا مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ کہ یہ دل کسی اور کا پجاری ہے اس دن خبر ہو گئی کہ من چاہے شخص کے مست کسی کی چاہت کا اعتراف سننا ننگے پاؤں جلتے کونلوں پر چلنے سے بھی کٹھن ہیں

میری آرزو میری جستجو بن گئی جو تا عمر میرے ساتھ رہنے لگی میں نے تو سوچا تھا کہ میں اپ کو ہر اس جگہ پہ مانگوں گا جہاں لوگ اپنے لیے خواہشات اور سکون مانگتے ہیں مگر اپ نے تو مجھ سے یہ حق بھی چھین لیا اجر۔

زندگی ایک نقطہ سے شروع ہوتی ہے اور لکیر پر ختم ہوتی ہے یہ لکیر کئی جگہ ٹوٹتی ہے پھر دوبارہ جڑتی ہے مگر میری زندگی لکیر کی طرح نہیں ہے میری زندگی مخروط کی طرح ہے جس کی نوک پر وہ ہیں اور پینڈے میں میں ہوں پینڈے کے جس سرے سے بھی اوپر چڑھنے کی کوشش کروں گا ان کو ہی پاؤں گا میں چاک کر بھی ان سے بھاگ نہیں سکتا اور اس کا اعتراف میں پوری جان سے کرتا ہوں۔

سجدوں میں گزار دوں اپنی ساری زندگی

ایک بار وہ کہہ دے مجھے دعاؤں سے مانگ لو

سب مجھے کہتے ہیں کہ تمہیں تکلیف نہیں ہوتی مگر میں کہتا ہوں آخر کون ہے اتنا حق تو ہے کہ وہ ذرا اور شاک اور کانٹوں پر ننگے پاؤں چلا کر جلتا تو اس کے گلے میں ڈال دیں۔ مگر اگر سرار شاہ کو حق ہوتا تو وہ اپ کی انکھ سے نکلے ایک انسو کے بدلے اپنی ایک نس کاٹ دیتا اپ کو آخری تحفے میں اپنی زندگی دے دیتا میں اپ کو اس جگہ پہ ملوں گا اجر جہاں پر اپ حضرات ایک سراب بن کے اترتی ہیں۔

محبت ملی تو نیند بھی اپنی نہ رہی فراز

گمنام زندگی تھی تو کتنا سکون تھا

ضرار شاہ

خاموش کمرے میں کھلی کھڑکی سے اتی ہوا نے کلچین مچائی ہوئی تھی شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے کتنی دیر سے بہتے انسوؤں نے اس کے چہرے پر موجود سپا کی دھول کو صاف کر دیا تھا اب وہاں تھا تو صرف ملال ہی ملال اس نے سرمئی کور والی اس ڈائری کو نم پوروں سے چھوا۔ اس کا سانس بند ہو رہا تھا وہ یکدم بیڈ سے اٹھی اور کمرے کی ساری کھڑکیاں کھول دیں۔ ہوا میں گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے اجر بتول کو اج اندازہ ہوا تھا کہ بعض دفعہ کھلی فضا میں سانس لینا بھی کتنا محال ہوتا

ہے۔ ائی ایم سوری ضرار گرم سے اس کی آنکھوں سے نکل رہا تھا جو خنک ہوا کے ٹکراؤ سے یک لخت خشک ہو کر ملال کی لکیریں بنا رہا تھا۔ لاہور کی گہری شام کی سرد ہنکار اور اڑتی فضا تاسف سے اس لڑکی کو دیکھ رہی تھی جسے چند دن قبل یہی فضائیں رشک کی نظر سے دیکھ رہی تھی۔ کتنا اسان ہوتا ہے رشک سے تاسف کا سفر کرنا ان فضاؤں کو آج اس بات کا علم ہوا تھا۔

وہ ایک ہفتہ کسی قیامت کی طرح اس کے اوپر سے گزرا تھا۔ وسوسے اور پریشانیاں اس پر کسی ڈاکو کی طرح بار بار حملہ آور ہو رہے تھے جیسے وہ دنیا جہان کا خزانہ سمیٹ کر بیٹھی ہو مگر حقیقت میں تو وہ سب کچھ لٹا چکی تھی۔

میرا مجھے نوجوان ایریاز جانا ہے آج ہی تو مجھے لے کے جاسکتی ہو اس نے امیرہ کو کال کرتے ہی بولنا شروع کر دیا تھا وہ جو حق کی بکی بیٹھی الفاظ کو جانچ رہی تھی اس کی اگلی بات پر دنگ رہ گئی۔ اگر تم مجھے نہیں لے کے جاسکتی تو پھر میں رات کو اکیلی چلی جاؤں گی۔ اس کی آواز رند گئی تھی۔

پھر 20 فروری 2023 کو رات 12 بجے وہ دونوں گھر سے نکل پڑی۔ امیرہ نے اس گھر والوں سے جھوٹ بولا کہ اس کا سیشن ہے تو وہ اجر کو اپنے ساتھ اسلام آباد لے کر جانا چاہتی ہے جس پر کافی تگ و دو کے بعد اجازت مل گئی۔

پبلک بس میں سفر کرتی ہوں دونوں اگلے دن شام چھ بجے اونچی بلند و بالا پہاڑیاں سبزے اور سفیدی کا قیمتی لباس پہنے اپنے حسن سے ابن ادم کو دیوانہ بنا رہی تھیں۔

اگلے دن دوپہر چار بجے وہ دونوں پریوں کی وادی کے لیے نکلی کوہیں ہمالیہ کے درمیان موجود گی وادی کسی حسن کی ابشار سے کم نہ تھی یوں لگتا تھا کہ جیسے ارد گرد موجود عظیم پہاڑ اس وادی کی رکھوالی کے لیے کھڑے ہیں وہ دونوں اس وقت جلد سیف الملوک کے کنارے پر کھڑی تھی جہاں سے ہو کا ایک مجمع موجود تھا۔

وہ متلاشی نظروں سے ارد گرد دیکھ رہی تھی کہ کسی آواز پر وہ پیچھے درختوں کے جانب چل دی میں تو امتی ہوں اے شاہ ام۔

کسی ٹرانس کی کیفیت میں اس آواز کے سمت چل رہی تھی امیرہ بھی اس کے ہمراہ تھی۔
کردے میرے آقا اب نظر کرم۔
انسو آنکھوں سے نکل کر رخسار پر بہنے لگے۔

میں تو بے سہارا ہوں دامن بھی ہے خالی نبیوں کے نبی تیری شان ہے نرالی۔ اس کا ہر اٹھتا قدم آواز کو مزید اونچا کر رہا تھا۔ میٹھی میٹھی پڑا اور سکوت میں وہ دل فریب راستے ارتعاش پیدا کر رہی تھی۔

میں تو امت بھی ہوں اے شاہ امم۔ وہ درخت کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ بند انکھیں سو جی ہوئی تھی اور اس کے سیاہ ہلکے تھے اور ان سے نکلنے والے انسو رخسار کو بھگو رہے تھے چپکے گال وہ بربادی کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ اس نے کہا تھا عشق فنا کرتا ہے اور وہ فنا ہو رہا تھا۔

کرتے میرے اقا اب نظر کرم۔ اس کے قدم پل بھر میں ساکت ہوئے تھے سامنے بیٹھے وجود کو دیکھ کر اگر انکھوں میں بے یقینی پھیلی تھی تو اگلے ہی لمحے وہ غصے میں بدل گئی وہ اب اس کے سر پر کھڑی تھی جو ایک ہی فقرے کو وظیفے کی صورت میں دہرا رہا۔

کسی کا چینل برباد کر کے نظر کرم کی توقع نہیں رکھی جاتی سلطان ضرار شاہ۔

یکلخت فضاؤں نے اس میٹھی آواز کو غائب ہوتے دیکھا تھا۔ اس کی انکھیں ابھی بھی بند تھیں مگر انسوؤں کی روانی تیز ہو گئی تھی۔

ائی ایم سوری ضرار وہ اب اس کے پاس زمین پر بیٹھ چکی تھی۔

اس نے دھیرے دھیرے انکھیں کھولی یو جیسے وہ تصدیق کرنا چاہ رہا ہو کہ یہ وہ ہے یا پھر معمول کے مطابق اس کا سراب۔

مجھ میری تلخیوں کے سزا مل گئی ہے پلیز مجھے مت ستاؤ وہ اب اس کے سامنے ہاتھ جوڑ چکی تھی جس سے اگلے ہی لمحے وہ تھام کر نیچے کر چکا تھا۔

اسے ہنوز خاموش دیکھ کر اٹھی اور پلٹنے ہی لگی تھی کہ وہ پکارا۔

مجھ سے شادی کریں گی؟۔

وہ اپ اس کے سامنے اکھڑا تھا جو زمین پر نظر ٹکائے خاموش کھڑی تھی۔ مگر لرزتی پلکیں اس بات کا منہ بولتا ثبوت تھی کہ ان کی اود میں کتنے مفرور قیدی بھاگنے کی تگ و دو کر رہے ہیں۔

جب اپ نے اجر وہ اس سے اس کا ساتھ مانگ رہا تھا جو آخری ملاقات میں اسے اس کے وجود سے بیگانا کر گیا تھا اس کی روح بھی اپنے ساتھ لے گیا تھا۔

میرا ماز بہت ہولناک ہے ضرار میں تمہارے قابل نہیں ہوں پر سکون فضا میں اس کے نام اواز گونجی نظریں ابھی بھی زمین پر ٹکی ہوئی تھیں۔

نہ اداس ہو نہ ملال کسی بات کا نہ خیال کر

کئی عرصے بعد ملے ہیں ہم تیرے نام اج کی شام ہے

کہہ کر گہرا سانس لیتا وہ اس کے قدموں میں زمین پر بیٹھتا ہوا بولا۔

اجر اگر ہم ماضی کو سوچیں گے تو حال کو نہیں دیکھ پائیں گے اور اگر حال کو نہیں دیکھ پائیں گے تو مستقبل کیسے بنائیں گے۔

ضرار مجھ جیسے دل لگانے کے لیے ہوتی ہیں گھر بسانے کے لیے نہیں یہ کہہ کر اس نے نظریں اس کے چہرے پر ٹکا دی۔ ٹھیک کہا اپ نے اپ دل کا شہر آباد کرنے کے لیے ہیں لیکن اجر اپ سکے کا

ایک رخ دیکھ رہے ہیں جو کسی کے دل کا شہر اباد کرتا ہے اس کا گھر کیسے برباد ہو سکتا ہے اور گھروں میں انسان رہتے ہیں اپنی ذات کے دشمن مگر دلوں میں تو اللہ رہتا ہے۔

دلوں میں رہنے والا رب مان جائے تو

باقی سارے خود ہی مان جائیں گے

میں سلطان ضرار حنیف شاہ اپنی زندگی کی ہر خوشی اجر بتول کا نام کرتا ہوں جان جہان میں نامکمل ہوں مجھے مکمل کر دیں۔ اف کتنی التجا تھی اس کے لہجے میں پل بھر میں اس کی آنکھیں بھرائی۔ اس نے ہاں میں سر ہلا دیا۔

یہ حال کسی محل سے کم نہیں لگ رہا تھا اور اج یکم ستمبر 2023 کو وہ سکون عروسی جوڑے پر ویلوٹ کا مہرون بھائی دوپٹہ لیے برائڈل میک اپ میں ڈھیلا ڈھالا جوڑا کیے جنت سے اترے ہوئے لگ رہی تھی جوڑے سے چل لٹنے نکل کر اس کے چہرے کے گرد لٹک رہی تھی یوں لگتا تھا کہ جیسے خزانے کی حفاظت پر دربان معمور ہے۔ ہاتھوں پہ زار کے نام کے مہندی سجائے اور کلائیوں میں اس کی خاموشیوں کو دور کرنے کے لیے بھر بھر کے چھٹکتی ہوئی چوڑیاں پہنے وہ اس پھٹکے ہوئے شہزادے کی شہزادی لگ رہی تھی جسے اس نے منتوں کے بعد پایا تھا مگر اس کا دل بے سکون تھا اس کو وہ مہندی دیکھ کر خون اور اپنا جوڑا دیکھ کر کفن یاد آ رہا تھا۔

رپورٹر اور فوٹو گرافر ہر طرف دھڑا دھڑا تصویریں کھینچ رہے تھے۔

اجر بتول ول سجاد حسین اپ کو سلطان ضرار حنیف شاہ ول حنیف شاہ سے سکھ راج الوقت 20 کروڑ کے یہ نکاح قبول ہیں۔

نکاح ہو چکا تھا سب مبارکباد دے رہے تھے کہ وہ سیاہ میکسی پہ باپ کٹ کو کھلا چھوڑیں میک اپ کے نام پر مسکارا لپسٹک لگایا اس کے قریب آئی۔ اسے دیکھتے ہی اجر کھڑی ہو گئی۔ ایم ویری ہیپی فور یو مائی ڈیئر فرینڈ۔ اس سے گلے ملتی ہے وہ بیٹھ چکی تھی اس نے ایک مخملی سیاہ ڈبی اس کی جانب بڑھائی۔ جسے وہ سوالیاں نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ تمہاری شادی کا تحفہ ہے یہ۔ اس نے وہ ڈبی کھولی جس میں سونے کا لاکٹ تھا جس کے اندر حرف اے لٹک رہا تھا اس نے وہ لاکٹ نکال میرا کی جانب بڑھایا جسے اس نے اس کی گردن کے گرد لپیٹ دیا۔ اچھا اب میں چلتی ہوں لوکٹ اسے گلے میں ڈالتی وہ اٹھ کھڑی ہو گئی۔

اجر کا بکرا منہ دیکھتے ہوئے فوراً بولی یار میری انٹرنیشنل رائٹرز کے ساتھ بھی ارجن میٹنگ ہے پلیز اس کا ہاں تھمتی اجر نے غور کیا تھا کہ اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا اور کافی ٹھنڈا بھی ہو رہا تھا۔ میرا تم ٹھیک ہو اس نے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہاں جا اذیت کی لکیریں ابھر رہی تھی۔ مگر اگلے ہی پل وہاں پہ بشاشت تھی میں بالکل ٹھیک ہو جائے اپنا خیال رکھنا ائی مس یویز فور کیٹ می اس کے گلے لگتی ہے اب وہ وہاں سے جا چکی تھی۔

سیاہ مرسڈیز اب شاہ پیلس کے سامنے ا کے رک گئی تھی لان پر سبز خاص پر سونا بکھرا ہوا تھا پورے پورچ میں چنبیلی کے پھول بکھرے ہوئے تھے جن پر چل کر اسے شاہ پہلے اس میں داخل ہونا تھا۔ سکن ڈنر سوٹ پر مہرون ٹائی لگائے نفاست سیٹ کیے بالوں کے ساتھ وہ بلاک حسین لگ رہا تھا سرمئی گہری آنکھیں آج ضرورت زیادہ چمک رہی تھی۔ ذرا آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور پھر فون سننے سائیڈ پر چلا گیا۔

ابھی وہ اپنا لہنگہ سمیٹ کر باہر نکلنے ہی والی تھی کہ زرار نے آگے بڑھ کر اسے اندر ہونے کا اشارہ کیا خود بھی اس کے ساتھ بیٹھ کر گاڑی کا دروازہ بند کر دیا۔ کیا ہوا ہے ہم کہاں جا رہے ہیں اس نے زرار کا سفید پڑھتے چہرے کو دیکھا اور پھر چلتی گاڑی۔ وہ امیرہ کی طبیعت خراب ہے تو ہم اس کے گھر جا رہے ہیں۔ اس کا ماتھا ایک دم جھٹکا تھا امیرہ کے کانپتے ہاتھ اور قرب ناک اس کی آنکھوں کے سامنے لہرائے تھے۔

یا اللہ وہ پوری دلجمی کے ساتھ مسور ہے جہاں سے دعائیں مانگ رہی تھی پھولوں سے سچی گاڑی اب اس دو منزلہ گھر کے آگے کھڑی تھی۔ دروازہ کھلا تھا جیسے وہ اندر داخل ہو رہی تھی رونے اور چیخنے کی آواز سے اس کی سماعت سے ٹکرا رہی تھی۔

اس سے ہم میں داخل ہوئی تو امیرہ کا سرہانے بیٹھی صوفیہ بیگم اس کی جانب لپکی اجر دیکھو یہ ہمیں تنگ کر رہی ہے اسے کہوں اٹھ جائے۔

انہوں نے سامنے چارپائی پر لیٹی ہوئی امیرہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اس نے بھی یقینی اور ناسمجھی کی ملے جلے تاثرات سے ضرار کی طرف دیکھا۔ اچھا امیرہ کی ڈیتھ ہو گئی ہے۔

اسے لگا کسی نے اس کو جلتے کوئلوں پر لا کھڑا کیا ہے وہ بے اختیار ہی امیرہ کی جانب لپکی اور اس کے چارپائی پہ بیٹھ کر اسے ہلانے لگی بالکل ویسے ہی جیسے اس دن اسے ہلا رہی تھی جب وہ اس کے غائب ہونے سے پہلے اس سے ملنے آئی تھی۔ امیرا امیرا وہ اسے جنجوڑ رہی تھی میرا دیکھو میں تم سے ملنے آئی ہوں میرا اگر تم نہ اٹھے تو میں چلی جاؤں گی تو تمہیں کبھی بھی نہیں بلاؤں گی وہ اس کا گال تھپتھپا رہے تھے کسی نے اگے بڑھ کر اسے نہیں روکا۔

زون ہی اٹھ کیوں نہیں رہی ہے سادہ سفید اور نیلی لون کے شلوار قمیض پہنی وہ سیاہ حجاب لیے وہ امیرہ کے سر پر قران پڑھ رہی تھی زون فاطمہ امیرہ کی خالہ زاد کزن۔ اپ بھی اپنی کمی نہیں اٹھے گی۔ بس اتنا کہنا تھا کہ وہ فلک کے بل چلانے لگی اور چیخ پہ چیختے امیرا کے گلے لگ گئی۔

یہ کم ستمبر جہاں اس کے لیے رنگینیوں سے بڑا دن تھا تو وہیں اس کی زندگی کو سیاہ بھی کر گیا تھا۔ بھاری ہوتی پلکوں کو اس نے مشکل سے اٹھایا تھا اس کا سر بری طرح چکرا رہا تھا آنکھوں کے سامنے آنے والا منظر واضح نہیں ہو رہا تھا وہ کہاں تھی آخر پرسوں اندھیرا تھا اس نے اندھیرے میں کچھ تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن وہ ساری روشنی کھو چکی تھی جب اسے ہوش آیا تو امیر رکھ کے بستر

پر لیٹی تھی۔ پھر جیسے ذہن کے پردے پر دھماکے ہونے لگے شادی ہال دلہن سیاہ میکی مسکراتا چہرہ سجا گھر اس کی لاش وہ دیوانہ بار بیڈ سے اٹھی اور باہر آئی۔

گھر کے صحن میں لا تعداد لوگ بیٹھے تھے لوگ اجا رہے تھے صوفیہ بیگم زار و قطار ہو رہی تھی اسے تصدیق کے لیے بھاری پلکوں کو اٹھا کر دیکھا کہ شاید وہ خواب اب ٹوٹ چکا ہو مگر ٹوٹتا تو تب جب خواب ہوتا۔ وہاں تو امیر نور کی لاش پڑی تھی مگر اجر بتول کے پرواز کر گئی تھی۔

وہ اس کی چارپائی کے پاس اکھڑی ہوئی۔ عروسی لباس میں ملبوس وہ اسمانی حور اپنی شہزادی کی میت کے آگے گھٹنوں کے بل بیٹھتی پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔

ہر کوئی حیرت سے اسے تک رہا تھا۔

یار فلزہ سب جمع ہوئے رات کے سناٹے میں

کوئی رنگ و روپ لے کر تو کوئی رو کر وہاں آیا ہے۔

تبھی ضرار اندر آیا ہر کوئی شاد رہ کے چیئر مین کو دیکھ رہا تھا وہ اجر کے پاس آیا اور اسے اٹھانے لگا مگر وہ مسلسل رو رہی تھی تو اس کے اشارہ کرنے پر عائشہ اس کو بھی ہلا کر لے گئی اور پھر تھوڑی دیر بعد وہ سچی سوری دلہن اپنا رنگ و روپ اتار کر سادہ کپڑوں میں شفاف چہرہ لیے اب اس کے دائیں جانب بیٹھی تھی ایک چیز جو ابھی تک پہن رکھی تھی وہ لاکٹ جو امیر ہے اسے دے کر آئی تھی انسو متواتر بہہ رہے تھے۔

اگر آپ میری فرینڈ بنو گے چار سال کی بچیوں سے بہت پیاری لگی تھی اس نے اس کے پھولے بھولے گالوں کو اپنے ہاتھوں کے پیالے میں بھرتے ہوئے سرہا میں ہلا دیا۔

پھر 14 سال وہ سائے کی طرح اس کے ساتھ رہی اور آج سایہ وجود کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر الگ ہو گیا تھا کئی منظر اس کی آنکھوں کے سامنے چل رہے تھے یادوں کے قافلے اس پر حملہ اور ہو رہے تھے جیسے وہ ان کی قرضدار ہو۔

اچھا یہ باطل تو محض ایک سراب ہے تم ہو گے نچلے درجے کی ایڈیٹر۔ اچھا اللہ پر بھروسہ رکھو۔ پھر میرے کانٹوں کو چننے والے اگئے اجر میں تمہارا عکس ہوں اور عکس کا بھی جدا نہیں ہوتا ائی مس یو اجر۔ اس نے سختی سے آنکھیں میچ لیں اجر پایا کہتے ہیں میں اوارہ ہوں ان کی باتیں میرا دل کاٹتے ہیں میں پل پل مرتی ہوں ان کے الفاظ میں روح کو جلاتے ہیں اجر میں مرجاؤں گی۔ اس نے ایک لخت آنکھیں کھولیں اور نظروں کے سامنے سب سے پہلے اس کا چہرہ آیا تھا پر سکون چہرہ ہونٹوں پر دم مسکراہٹ لگتا ہے نہیں تھا وہ چلی گئی ہے۔ وہ مرد تو اسے دن گئی تھی بس لاش آج اٹھانی تھی۔

ظہر کی نماز ادا ہو چکی تھی اور اب اس سے دفنانے کا وقت آگیا تھا سب مرد اندر رہے تھے تبھی وہ ضرار کی طرف لپکی صوفیہ بیگم کو تو کسی چیز کا ہوش ہی تھا۔ ضرار اس دن آپ نے مجھ سے میرا ساتھ مانگا تھا آج میں آپ سے امیرہ کو نہ لے جانے کی فریاد کرتی ہوں وہ کہتی اس کے پاؤں پکڑ چکی تھی۔ جسے وہ دھیرے سے پیچھے ہٹانا عائشہ کو اشارہ کرتا چار پائی تھام چکا تھا۔

کلمے کی اوازیں ہر صبح بلند ہو رہی تھیں وہ زراعت کی طرف لپکی مگر عائشہ اور قبر بیگم اس کے درمیان حائل ہو گئی۔

خلیل اپ جو چاہیں کر لیں مگر میرے شہزادی کو نہ لے کر جائیں کلمے کی اواز پر جیسے صوفیہ بیگم ہوش میں آئی مگر چند سات بات ہی وہاں دو وجود پہچان پڑے تھے جن کے سانسیں چل رہی تھی مگر زندگی کٹ گئی تھی۔

نماز جنازہ ادا ہو چکی تھی اور اسے منو مٹی تلے تخت پر لٹا دیا گیا تھا۔
امیرانور وہ تھی تو روشنی کی شہزادی مگر اس کی سلطنت اندھیرا تھی اور آج وہ حقیقت میں اپنی سلطنت میں چلی گئی تھی۔

سب لوگ وہاں سے جا چکے تھے تو ایک ہی ہولا اس قبر کے پاس کھڑا نظر آیا اور اگلے ہی لمحے اس کے قدموں کی سمت پر سر رکھ کے بیٹھتا وہ پھوٹ پھوٹ کے رو دیا۔
قبرستان کی خاموش بھی تھا اور پورے سال ماحول اس لڑکے کو تعصب سے دیکھ رہی تھی اگرچہ کوئی نیا منظر نہ تھا مگر پھر بھی دل دہلا دینے والا تھا۔

وہ پورا ہفتہ بخار سے پھنکتی رہی جیسے ہی ہوش میں آتی چیخیں چلانے لگ جاتی مگر آج امیرہ کو گئے 40 دن گزر چکے تھے اور اہستہ اہستہ اس کا ذہن بھی تیار ہوتا جا رہا تھا۔

وہ اس وقت اس کے کمرے میں تھی اس کی چیزیں اپنے سامنے بکھیرے بیٹھی تھی تبھی زون اندرائی اور اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے ایک ڈبہ اس کی طرف بڑھایا سیاہ ڈبہ جس پر اس کا نام کی چٹ لگی تھی۔

اس نے وہ دبا کھولا اندر کتاب سے مہرون جلد والی کتاب جس پر سنہری رنگ سے گلف اس کلندہ تھا یعنی کامیابی کا پھول۔

اس نے وہ کتاب کھولی وہ امیرہ کی شاعری اور نگاری کا مجموعہ تھی۔ اس کتاب کے نیچے اگلی پایا تھا اس نے وہ لفافہ کھولا اور بننا شروع کر دیا۔

اچھا میں تمہیں ہر چیز سے پہلی باخبر کرنا چاہتی تھی مگر وقت میں مہلت نہ دی آج سے دو سال پہلے جب تم مجھ سے مل کر گئی تھی اسی رات میں گھر سے چلی گئی تھی دہلی مشاعرے کے لیے اور اس سب میں میرا ساتھ زون نے دیا تھا وہ بھی یقینی سے اسے تکلنے لگی۔

زون جس کا مطلب چاند ہوتا ہے اس نے اگے پڑھنا شروع کیا اگر تم میری مشکلات کا اجر ہو تو وہ میری زندگی کے اندھیرے میں چاند ہے۔ مشاعرے میں میں نامزد ہو گئی میں نے کئی مرتبہ تم سے رابطہ کرنا چاہا۔

مگر ہر دفعہ تمہارا نمبر بن جاتا تھا وہاں سے واپسی پر میری طبیعت کافی خراب ہو گئی پھر پاکستان کے مجھے کئی مشاعروں میں حصہ لینے کا موقع ملا کرتے کرتے وہ دن آگیا جس دن میں نے فیسٹیول جیتا اور پھر میرے سیشن آگئے۔

لیکن میں کبھی اور کہیں اکیلی نہیں تھی تمہاری یاد اور زون کا ساتھ میرے ہم سے پر تھے میں ہر مشاعرے سے پہلے تمہیں فون کرتی تھی مگر جب بے سود ہو جاتی تو پھر زون کے ہمراہ مشاعرے میں چلے جاتی تم سے ملنے اس سے ایک ماہ پہلے مجھے معلوم ہوا تھا کہ مجھے سٹمک کینسر ہے یعنی معدے کا سرطان اور آخری مرحلے پہ ہے۔

ایک دم اس کا سانس رک گیا کتنے قیدی اس کی آنکھوں سے نکل کے رخسار پر بھاگ رہے تھے۔ پھر میں گھر گئی بابا نے مجھے میری زندگی کے چند ایام اپنے ساتھ گزارنے کی اجازت دے دی مجھے لگا تھا کہ تم مجھ سے ناراض ہو گئی تو اس خبر سے میں تمہیں منالوں گی مگر یہ نوبت ہی نہ آئی۔ میری پہلی کتاب کی پہلی جلد تمہارے نام۔

امیر نور

اس نے کاغذ تہ کر کے سینے سے لگایا

تم مری نہیں ہو میرا تم زندہ ہو گئی ہو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے وہ اس کی قبر پر کھڑی تھی اس کی تختی پہ الفاظ لکھے تھے اک ماں کی تھکی ہوئی بیٹی یہاں میں ہمیں سکوں ہیں ہو سکے تو دعا کرتے جائے امیرہ نور ولد خلیل علی 14 اپریل 2006 تا یہ کم ستمبر 2023 آج میرا کو گزرے ایک سال ہو گیا مگر اللہ نے اسے دوسری شہزادے سے نواز دیا تھا میرا کی برسی والے دن اسی گھر لڑکی پیدا ہوئی اس نے بیڈ کے ساتھ رکھی بے بی کوٹ میں کھیلتی ہوئی بچی کی طرف دیکھا معصوم چہرہ بری آنکھیں اسے گل نور امیرہ کا عکس لگتی تھی۔

رسوائی ہے قید ہے بربادی بھی نہ پیدا ہے
خفا ہے نبھا ہے خود کو ہونے کی پھر سزا ہے
عذاب ہے قہر ہے یہ جینے کا ایک زحر ہے
زندگی کا سوگ ہے یا عمر بھر کا روگ ہے
الغرض یہ کہ

بستر مرگ پر پڑے ہوئے مریض کی
اپنے ہی قاتل سے فلزہ قتل کی نبھا ہے عشق
سنو تمہیں خبر بھی ہے کہ یہ آخر کیا ہے عشق؟

میں بھی اپ کو ساہی بلا رہے ہیں اچھا تم جاؤ میں اتی ہوں۔ اس نے مہرون رنگ والے وہ کتاب بند کی گلفائز یعنی کامیابی کا پھول ابھی تو صرف پھول کھلا تھا وقت ابھی کھلنا تھا وقت کسی کو مہلت نہیں دیتا نہ ہی اس نے اس کو دی تھی ایک پھول نے کھل کر صحرا کی بنجر زمین کو مہکا دیا تھا۔ اس کے دل پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بے ساختہ اس کا ہاتھ میں نے الفاظ پر رکا تھا امیر انور فلز گل اس نے وہ کتاب سائیڈ ٹیبل پر رکھی جہاں پر ایک فریم پڑھا تھا پلبرت کے لیے وہ ساخت ہو گئی سیاہ پین شرٹ پر کاسنی لیدر کی جیکٹ پہنی وہ کھڑی تھی یہ تصویر اس دن کی تھی جس دن اس کی کتاب شائع ہوئی تھی۔

اس وقت پیٹنگ سادہ شلوار قمیض پہنے ہوئے تھے جس کے گلے اور بازوؤں پر قیمتی سفید موتیوں کی ایبرانڈری ہوئی ہوئی تھی۔

کانوں میں نے چھوٹے موٹے ہیرے جگمگ کر رہے تھے گلے میں وہ سونے کا لاکٹ انج پہ جھول رہا تھا ہونٹوں پر نیچرل لپسٹک لگاتے کمر تک اتے بالوں کو کنگھی کرتے ہیں اس نے کوٹ میں کھیلتی اس دو ماہ کی چھوٹی سی ازادی کو اٹھایا اور لان میں آگئی۔ مگر لان میں قدم رکھتے ہی اس کے قدم زنجیر ہو گئے۔

اس کے قدموں کی اہٹ سن کر زرار استق ایا اور اسے تھام میں آگے بڑھا

وہ اس کے بالمقابل کھڑی تھی الجھے بال سیاہ حلقوں زیادہ انکھیں مجھے سمجھو کثرتیں ہوا کرتا تھا ڈھانچا بنا ہوا تھا وہ لکڑی کی کرسی پہ بیٹھا تھا انکھیں زمین پر مرکوز تھیں

امیرا میں اللہ سے دعا کرتی ہوں کہ ایک مرتبہ وہ میرے سامنے آئے اور میں اس کا گریبان تھام کر پوچھوں کہ آخر میرا قصور کیا تھا ایک سرگوشی اس کے کانوں میں ہوئی تھی۔

مگر ویسے کچھ نہ کر سکے وہ رات ایک دفعہ پھر اس کے ذہن کے پردوں پر روشن ہو چکی تھی۔ شیراز مدہم اواز میں اپنا نام سن کر وہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا مجھے معاف کر دو اجر میں نے امی کے کہنے پر تمہارا ساتھ بہت غلط کیا مکافات عمل کو فراموش کر کے میں زمینی خدا بن بیٹھا تمہارے انسو میری نسل تباہ کر رہے ہیں میرا خاندان بہار ہیں اجر وہ اب زار و قطار ہو رہا تھا۔ علیزے گھر سے بھاگ گئی بابا جیل چلے گئے امی پیرالائز ہو گئی ہیں اور تو اجر اللہ نے مجھے مکافات عمل دکھانے کے لیے رحمت سے نوازہ مگر تمہاری آہوں سے میری بیٹیاں پل پل مرتی ہیں۔ وہ دونوں تھلیسیمیا کی مریض ہیں ہر ہفتے اُن کا خون بدلتا ہے۔ اور اب اس کا اثر اُن کے گردوں پہ بھی ہونے لگا ہے۔ اجر تم بھی تو ماں ہو اولاد کا غم انسان کو مار دیتا ہے۔ اپنی بیٹی کے صدقے مجھے معاف کر دو۔

شہروز تمہاری وجہ سے میری پوری زندگی تباہ ہو گئی میرے باپ نے اُس دن کے بعد میرے سر پر شفقت بھرا ہاتھ نہیں رکھا۔ میں تمہے معاف نہیں کر سکتی ہوں مگر میں دعا کروں گی کہ مجھ پر کیے

گئے ہر ظلم کا بدلہ تم سے لیا جائے تمہاری بیٹیوں سے نہیں کیوں کے وہ معصوم ہیں۔ اور اللہ انہیں تمہارے شر سے بچائے۔ وہ اندر چلی گئی۔ اور وہ نم آنکھیں لیے وہاں سے چلا گیا۔

کیا ہو تھا آخر یہ رابعہ واشروم میں گر کر مر گئی تھی ابراہیم کو کینسر ہو گیا تھا اور اب شہروز۔ یعنی مکافات عمل ناگ بن کر سب ظالموں کو دس رہا تھا۔

پس آج ثابت ہو گیا تھا۔ وا تو نزو من تشاء وا تزلو من تشاء۔

تو نز کبھی بھی تزل کے بغیر نہیں آتا بس فرق یہ ہوتا ہے کہ کسی کی زندگی میں تو نز پہلے آتا ہے تو کسی کی زندگی میں بد میں مگر جب سکھ متی میں قید ہو تو رخ تو دونوں ہاتھ میں ہی اتے ہیں۔

وہ مر کر بھی عزت پہ رہی تھی۔ اور وہ جی کر بھی ذلیل ہو رہے تھے۔

لاہور کی فضا میں ایسا سکون شاید کبھی بھی نہیں آیا تھا۔

سوکھے گلابوں کا ایک قافلہ اُرتا ہوا اُسکے قبر آیا تھا۔ جس پہ کوئی ہیولا ابھی بھی موتی برسا رہا تھا۔ وہ جو اسکا نام اپنی زندگی کی کتاب سے پھاڑ کر اُس کتاب کو جلا چکی تھی۔ وہ آج اپنی زندگی کی کتاب اُسکے نام لکھ رہا تھا۔

تعز جسکی زندگی میں بھی آتا ہے اسے وقت بھی مٹا بھی پاتا ہے۔ وہ جا کر بھی کسی کے دل سے نہیں جاسکی۔ وقت نہ اُسکے روح کو زندہ رکھا تھا۔

سحاب عربی زبان کا لفظ ہے جسکے معانی ہے بادل۔ قسمت ہر کیسے کو بادل بننے کا موقع دیتی ہے کسی کو آزمائش کے طور پر کسی کی دکھوں بھری زندگی میں خوشیوں بھری بارش برسانے کے لیے بادل بننے کہ موقع دیتی ہے۔ تو کسی کو انعام کے طور پر یہی شرف ملتا ہے۔

اگرچہ یہ خواہش اجر بتول کی تھی اور وہ بادل بنی بھی تھی مگر اس نے پہلی اپنے امیدوار کے دل میں بجلیاں کرکائیں اور اپنی نوید سنائی۔ پھر خوشیوں کی بارش بھی کے تھی۔ مگر امیرہ نور جانے انجانے میں ہی کتنوں کی زندگی کا بادل بن گئی تھی اور سب کی زندگی میں خوشی کی بارش کر رہی تھی۔

بن میرے تیرا جینا محال ہو جائے

کاش کوئی ایسا کمال ہو جائے

سوچ لے فقط ایک اور بار اور زرا جلدی کر

یوں نا ہو کہ محبت کا انتقال ہو جائے

کاش کوئی ایسا کمال ہو جائے۔۔!

زینب افضال

امریہ خالد

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆